نایاب جیلانی

دل ٹوٹ کے ہار اٹھا

پانچویں اور آخری قسط

سبز دریچے کے پار "شام اودھ" پھیل رہی تھی۔ کھڑکی کے کونوں سے لٹکتی بیلوں کی ہر ہر شاخ پھول، کلیوں اور خوشبوؤں سے لدی تھی۔ اس خوب صورت شام ماہ رو کا موڈ بڑا ہی خوش گوار تھا۔ وہ بڑے دنوں بعد اس قدر فریش نظر آرہی تھی۔ اس نے ڈارک بلیو شیفون کا امبرائیڈڈ سوٹ نکالا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر ڈارک بلیو امبرائیڈڈ ساڑھی نکال لی۔ جس کے بلاؤز پہ ہلکا سا نفیس سلور کام تھا۔ سلیویز بھی اتنے قابل اعتراض نہیں تھے۔ ماہ رو نے کچھ سوچ کر ساڑھی کو زیب تن کرلیا تھا۔ پھر ہلکا سا میک اپ کیا تو یوں لگا جیسے وہ کوئی اور ہی ماہ رو کا روپ دھار گئی تھی۔ عون سے شادی کے صرف ایک ماہ میں ہی وہ خاصی ڈل، افسردہ اور بوجھل دکھائی دیتی تھی۔ جسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ بھی بھول گیا تھا۔ حتیٰ کہ ہنسنا بھی بھول گیا تھا۔ وہ اپنے سراپے کو آئینے میں دیکھ کر خود بھی مسحور رہ گئی تھی۔

ایک ماہ پہلے وہ کس قدر ہنگامہ پرور، خوش مزاج، چلبلی ہوا کرتی تھی۔ صرف ایک مہینے میں اس میں ایسی تبدیلی آئی تھی اگر شازمہ دیکھ لیتی تو چیخ پڑتی۔ اور آج اس نے کلینڈر پہ نظر ڈالی تو اندازہ ہوا تھا ماہ رو کو اس گھر میں رہتے ہوئے عون کا غصہ، طنز اور عتاب سہتے ہوئے پورا ایک مہینہ ہوچکا تھا۔ اور یہ ایک مہینہ بس مہینہ ہی تھا۔ تیس دن، تیس سال تو نہیں ہوئے تھے، لیکن ماہ رو کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ صدیوں سے اسی گھر میں رہتی آرہی ہے۔ ماہ رو کا یہاں اس گھر کے ایک حد تک آؤٹ موڈڈ (دقیانوسی) ماحول میں دل لگ گیا تھا۔

جہاں سب لوگ ایک ہی چھت تلے بڑی محبت سے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کی تکلیف کو سمجھتے تھے۔ احساس کرتے تھے۔ خیال رکھتے تھے۔ کبھی کبھی ہلکی سی چپقلش بھی ہوجاتی۔ رنجش کی لکیر بھی کھنچ جاتی تھی۔ پھر بھی یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے اور تایا رحمان کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی تھی کہ ان دونوں بھائیوں کے بچے، تایا رحمان کے اپنے بیٹے ہمیشہ اسی چھت تلے اکٹھے رہیں اور ان کا کاروبار بھی کبھی الگ الگ نہ ہو اور یہ خواہش کوئی بے جا ہرگز نہیں تھی۔ اور یوں وہ لوگ ابھی تک اس سایہ دار قسم کی رحمان منزل میں بخوشی رہ رہے تھے۔

ماہ رو کو اس گھر میں ایک دن بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ ابو سے لے کر کائنات تک سب ماہ رو کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ بہت پیار اور عزت دیتے تھے اور جس پیار اور عزت کی ماہ رو کو توقع تھی بس وہیں سے تو لفٹ کا سائن بورڈ منہ چڑھاتا تھا اور جب اسے پورا ایک مہینہ ڈیڈی سے ملے ہوئے ہوگیا تھا اور ڈیڈی اور شازمہ کے کئی ایک فون آچکے تو ابو نے عون کو پھر سے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"تمہیں عشق فرمانے کا شوق تھا، نبھانے کا نہیں۔" وہ ابھی کے ابھی تھکا ہارا ڈائریکٹر سے منہ ماری کے بعد گھر پہنچا ہی تھا، جب ابو نے اسے اپنے کمرے میں جانے ہی نہیں دیا، بلکہ رستے میں ہی کائنات اسے بڑے ہال کی طرف لے گئی تھی۔ یہ کہتے ہوئے کہ۔۔۔

"ابو! یاد فرما رہے ہیں۔" عون کچھ حیران ہوا تھا۔

"کہیں انہیں میری پلاننگ کی بھنک تو نہیں پڑ

گئی۔" اس کے دل میں خیال جاگا تھا' کیونکہ ابو عام طور پر اسے بہت کم کم ہی یاد فرماتے تھے اور ان کا یاد فرمانا ہمیشہ ایک لمبے جھگڑے کی شروعات کا شاخسانہ ہوا کرتا تھا۔ پھر باپ بیٹا لڑتے لڑتے طعنوں پہ اتر آتے تھے۔ وہ کچھ سوچتا ہوا اندر آگیا تھا۔ ابو شام کا اخبار دیکھ رہے تھے۔ عون کو آتا دیکھ کر کچھ چونک گئے تھے۔ پھر اخبار ایک طرف رکھ کے عون کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ دوسرے معنوں میں فارم میں آچکے تھے۔ عون ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہیں دیوان پہ بیٹھ گیا تھا۔ قریب ہی عاشر بھی موجود تھا۔ ان دونوں کو آمنے سامنے بیٹھا دیکھ کر حساب کتاب کا کھاتہ اٹھاتا باہر نکل گیا تھا۔ جانتا تھا کہ ہال کا ماحول اب گرم ہوا چاہتا ہے۔ عون کے نشست سنبھالتے ہی ابو نے گلا کھنکار کے گولہ باری کا آغاز کیا۔

"کر آئے ہو چاکری! اپنا کام تو کاٹتا تھا۔ اب دوسروں کے رعب میں رہ کر کام کرنے کا مزا آئے



گا۔" ان کا لہجہ گہرا طنزیہ تھا۔ عون نے بھی گہرا سانس خارج کیا۔ پھر بڑے سرد لہجے میں بولا۔

"کم از کم وہاں کوئی میرے تازہ بہ تازہ ماضی کو نہیں جانتا۔ پلازہ میں تو دو دو ٹکے کے سیل بوائے تک مجھے دیکھ دیکھ کر ہنسی اڑاتے تھے۔ آخر آپ نے میری کم بے عزتی تو نہیں کی تھی۔" عون کو بہت کچھ یاد آ رہا' جو بھولتا تو پہلے بھی نہیں تھا اس وقت زخم پھر تازہ ہو گئے تھے۔ وہ بھولنا چاہتا بھی تو بھول نہیں سکتا تھا اور نہ ہی ابو' فریحہ اسے کچھ بھولنے دیتے۔

"اسی لیے تو انسان کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانے چاہیے۔ تاکہ اپنا ہی ماضی سوال نہ بن جائے۔..." ابو نے پھر سے دھیمے لہجے میں چابک مارنے کی کوشش کی تھی۔

"یہ تو میں تمہارا باپ تھا جو ساری صورت حال کو سمجھ کر تمہیں بڑی ذلت سے بچا گیا تھا۔ ورنہ تو سیٹھ سرفراز تمہیں جیل بھجوانے کا پکا ارادہ رکھتے تھے۔ اغوا اور دہشت گردی کے کیس میں... جس کی ضمانت بھی نہ ہوتی... اور تم ابھی تک جیل میں سڑتے رہتے۔"

"پھر اغوا..." عون کا دماغ تپ اٹھا تھا۔ اعصاب جھنجھنا گئے تھے۔ اسے بے طرح سے غصہ آیا اور شاید وہ بھڑک ہی اٹھتا اگر بیچ میں اچانک فریحہ مداخلت نہ کر لیتی۔ فریحہ کے آتے ہی عون نے اپنا غصہ پی لیا تھا اور بمشکل ضبط کر کے چپ رہا تھا۔ کیونکہ اب فریحہ بول رہی تھی اور بڑی ذہانت سے ابو کو لاجواب کر رہی تھی' عون بھی چونک گیا۔ فریحہ کی باتیں رد کرنے والی نہیں تھیں۔ اگر ابو کے دماغ سے ماورا تر جاتی تو...؟

"حیرت کی بات ہے تایا جی! سیٹھ سرفراز نے آپ کو دھمکی دی' وہ عون کو اغوا کے کیس میں جیل بھجوائیں گے اور آپ نے بڑی فہم و فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنا بیٹا پیش کر دیا۔ تاکہ جو مرضی سزا سنائیں اور انہوں نے بجائے عون کو جیل بھجوانے کے اپنی بیٹی سے نکاح کی سزا تجویز کر دی۔ جسے آپ نے فوراً" تسلیم کر لیا۔ آپ نے اس تمام سیٹ اپ کی وجوہات پہ غور نہیں کیا تھا۔" فریحہ کا دھیما ٹھوس سلگتا ہوا لہجہ ایسا تھا جس نے عون کو تو ڈھارس پہنچائی ہی تھی۔ تاہم تایا کو بھی خاصا لحہ فکر عنایت کر دیا تھا' لیکن یہ ان پہ لمحاتی کیفیت تھی۔ وہ جلد ہی اس کیفیت سے آزاد ہو گئے تھے۔

"بیٹی! اس وقت کے حالات کچھ اور تھے۔ ایک شرمسار باپ بھلا کیا کرتا۔ میں تو اسی بات پہ شکر ادا کر رہا تھا کہ سیٹھ سرفراز نے بات نہیں بڑھائی اپنی اور ہماری عزت رکھ لی۔" تایا جی بڑے پراذیت لہجے میں بات کر رہے تھے' جیسے اس وقت کی تکلیف ابھی تک چبھن دے رہی تھی۔ عون کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

"تو پھر سیٹھ سرفراز نے ایک اغوا کار کو اپنی بیٹی کا رشتہ کیوں دیا؟" فریحہ کے اگلے سوال نے تایا کو بھونچکا کر دیا تھا۔ چند لمحے وہ کچھ بول نہیں پائے تھے۔

"انہوں نے خود نکاح کی تجویز رکھی تھی آخر کیوں؟" فریحہ جیسے زہر خند ہوئی تھی۔

"تو کیا کرتے؟" اس ذلیل نے کچھ تو ان کی بیٹی کے ساتھ کیا تھا جو وہ اس قدر مجبور ہو چکے تھے۔ کوئی باپ کس وجہ سے اس قدر مجبور ہو کر اپنی بیٹی کا رشتہ اپنی زبان سے دیتا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں... اور تم کچھ نہیں جانتیں۔ اس لیے عون کی بے جا حمایت نہ کرو۔" انہوں نے ایک تلخ نگاہ عون کے سراپے پہ ڈال کر فریحہ سے کہا تھا۔ تب وہ دل میں اٹھتے اشتعال کے ساتھ تن فن کرتی چلی گئی تھی' لیکن جانے سے پہلے وہ اتنا ضرور بڑبڑائی تھی۔

"اس ساحرہ نے آپ سب ہی پہ جادو چلا رکھا ہے۔ بڑی جادوگرنی بنی پھرتی ہے۔ اس کا جادو نہ توڑ دیا تو فریحہ نام نہیں میرا۔" اس کے انگ انگ سے شرارے پھوٹ رہے تھے' لیکن وہ اپنے دماغ کو حاضر رکھتے ہوئے ذہین دماغ سے اگلے لائحہ عمل کی بریفنگ لے رہی تھی۔ فریحہ کو آگے کیا کرنا تھا؟ اس بات سے سب بے خبر تھے۔ بڑے ہال میں ابھی تک عون کی کلاس چل رہی تھی اور ابو بڑے ریاضی دان بنے سوال کر رہے تھے۔

"اب تم مجھے بتاؤ کہ اونچ' ٹیڑھی میڑھی... سطح

سے ایک دم سطح مستوی (ہموار سطح) پہ کیسے آؤ گے؟"

"میں آل ریڈی ہموار سطح پہ ہوں... مجھ میں طول و عرض تو ہو گا عمق بالکل نہیں..." اس نے بھی حساب دانہ جواب دیا تھا۔ ابو لمحہ بھر کے لیے تیوری پہ بل ڈال کر سوچتے رہ گئے تھے۔ پھر گلا کھنکار کر دھیمی آواز میں غرائے۔

"عون...! تم سمجھ رہے ہو۔ میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔" وہ زچ نہیں ہوئے تھے، لیکن عون ہی سنبھل کر سیدھا ہوا۔

"اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" اسے باپ کے سامنے لہجہ نرم اور الفاظ سخت رکھنے پڑے تھے۔

"اس بچی کے ساتھ تمہارا رویہ بہت برا ہے۔ میں آنکھیں بھی رکھتا ہوں اور دماغ بھی... وہ اس گھر میں قید ہونے نہیں آئی۔" انہوں نے خاصے سخت انداز میں اسے گھر کا تھا۔

"تو نہ آتی؟ میں باجوں گاجوں کے ساتھ لایا ہوں اس کو..." وہ ایک دم تلخ ہو گیا۔ ابو اسے خاصے تاسف سے دیکھتے رہ گئے تھے۔

"بار بار اس بات کو جتا کر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"صرف یہ ہی کہ وہ خود یہاں آنا چاہتی تھی، سو پری پلاننگ سے آگئی۔ مزید مجھ سے توقع نہ رکھے کوئی۔" اس نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا، لیکن اکڑ برقرار تھی ہنوز...

"وہ بیوی ہے تمہاری... تم اپنے حقوق پہچانو... اور ماہ رو کو خوش رکھنے کی کوشش کرو... اسے اس کے باپ سے ملوا کر لاؤ... اس بات کا تمہیں احساس ہونا چاہیے۔" اب کہ ان کی آواز تیز ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کی اکڑ انہیں مشتعل کر رہی تھی۔

"میں نے اسے خوش رکھنے کا ایگری منٹ سائن نہیں کیا تھا اور نہ ہی نکاح نامے میں ایسی کوئی شرط منظور کی تھی۔ باقی رہی اس کو باپ سے ملوانے والی بات، تو میں نے اسے روکا نہیں۔ جب چاہے جا سکتی ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ابو بھی مشتعل سے اخبار پٹخ کر اٹھے تھے۔

"بد ہو! وہ کیسے اکیلی جائے...؟ کیا قاسم اور عاصم اپنی بیویوں کو ان کے میکے ملوانے نہیں لے کر جاتے۔ تم دستور سے نرالا کچھ کرو گے؟" ان کو غیض چڑھ گیا تھا۔ "آپ کے لیے اطلاعاً" عرض ہے۔ وہ اکیلی شتر بے مہار گاڑی بھگاتی، سڑکیں روندتی جگہ جگہ دندناتی پھرا کرتی تھی۔ اسے ثنا اور مریم سے کمپیری زن (مشابہت) نہ ہی کریں۔ وہ کوئی انیس سو ساٹھ کی مخلوق نہیں۔ جسے شوہر کی انگلی پکڑ کے گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہے۔ اگر باپ سے ملنا ہوا تو خود چلی جائے گی۔ کسی سے پوچھنا گوارا نہیں کرے گی۔" عون نے بھی انہیں چار سنا کر خوب ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

"وہ تمہاری طرح خودسر، بدتمیز یا بدتہذیب نہیں... جو منہ اٹھا کر کسی بزرگ کو گھاس تک نہ ڈالے اور چلتی بنے۔ اتنے دنوں سے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ سب سے گھل مل گئی ہے۔ ہم سب کی بہت عزت کرتی ہے۔ اس گھر میں ایسے رہ رہی ہے جیسے سالوں سے یہیں ہو۔ اسی گھر میں آنکھ کھولی۔ "تم اس کی خودسری اور آوارہ مزاجی کی جھوٹی کہانیاں مت سنایا کرو اپنی ماں کو۔ ہم میں سے کوئی بھی یقین نہیں کرتا۔" وہ خاصے جارحانہ انداز میں بولتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے رکے تھے۔

"اور تم اپنے گریبان میں جھانکو۔ خود میں کوئی اچھائی پیدا کرو اور خاص طور پہ اپنا رویہ یہ ماہ رو کے ساتھ بدلو... میں اس کے باپ کے سامنے دوسری مرتبہ شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔" انہوں نے جیسے عون کو وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔ عون کی تیوری پہ بل پڑ گئے تھے۔

"رویہ بدلتی ہے میری جوتی۔" اس نے تنک کر سوچا۔ ابو بھی اٹھتے اٹھتے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچ کر بیٹھ گئے تھے۔

"سنو عون...! جو ہو چکا ہے وہ پلٹ نہیں سکتا، لیکن بھولا تو جا سکتا ہے۔ بہتر زندگی کے لیے کچھ چیزوں کو نظر انداز کرنے میں ہی عقل مندی ہے۔" ابو کے الفاظ

عون کو کسی چابک کی طرح لگے تھے۔ وہ ہال کے دروازے تک جاتے جاتے پلٹ آیا تھا۔

"جو ذلت میں نے پلازہ میں اٹھائی تھی ابو! میں عمر بھر اسے بھلا نہیں سکتا۔" اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اور یہ بھی کہ وہ ذلت کس کے توسط سے آئی تھی۔ وہ زہر خند ہوا۔

"اگر بھلاؤ گے نہیں تو کیا کرو گے؟" ابو کے تیور بھی جارحانہ ہو گئے تھے۔ ایسے ہی ان دونوں کا جھگڑا اسٹارٹ ہوتا تھا جو بڑھتا بڑھتا عون کو انتہائی بدتمیزی پہ مجبور کر دیتا تھا۔ پھر دونوں باپ بیٹا کئی کئی دن ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھتے تھے۔ ایک دوسرے سے بولتے نہیں تھے۔ تاوقتیکہ دوسرے جھگڑے کا آغاز نہ ہو جاتا۔

"میں اس فساد کی جڑ کو ختم کر دوں گا۔ اکھاڑ پھینکوں گا۔ بس اس دن کے انتظار میں ہوں، جب وہ خود سب کچھ اگل کر آپ کے سامنے اقرار کرے گی۔" عون نے اپنے خطرناک ارادے ظاہر کر دیے تھے۔ جنہیں سن کر ان کا سارا جلال آنکھوں اور چہرے پہ سمٹ آیا تھا۔ وہ خون رنگ آنکھوں سے بھڑک اٹھے تھے۔

"کیا تم آخری حد سے گزرنا چاہتے ہو۔ کیا تم ماہ رو کو طلاق دینا چاہتے ہو؟" بے غیرت! تم وہ کام کرنا چاہتے ہو جو میرے نسب، نسل، خاندان میں نہیں ہوا۔" وہ دہاڑتے ہوئے اس قدر ہانپ چکے تھے کہ چیخ و پکار اور غراہٹوں کی آواز سن کر عاشر اور امی کو حواس باختہ ہو کر آنا پڑا تھا۔ وہ بمشکل ابو کو کنٹرول کرتے واپس دیوان پر بیٹھا رہے تھے۔ ورنہ ابو کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرح عون پہ حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ اس کا گریبان پکڑ کر طمانچے لگانا چاہتے تھے۔

پورا گھر ایک دم اکٹھا ہو گیا تھا۔ کائنات اور امی رو رہی تھیں۔ ثنا، مریم حواس باختہ تھیں۔ باقی سب الگ پریشان اور متوحش نظر آ رہے تھے۔ بس ایک کردار بڑا پر سکون اور خاموش تھا۔ جس کے چہرے پہ اطمینان بھرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ چہرے پہ عجیب سا تاثر تھا۔ ادھر ابو ابھی تک چلا رہے تھے۔

"اس سے پوچھو، یہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس کی جرات کیسے ہوئی میرے نسب کو داغ دار کرنے کی؟ میری پشتوں میں آج تک کسی نے طلاق کا لفظ نہیں سنا۔" ان کی شریان جیسے پھٹنے لگی تھی۔۔۔ عون نے ہونٹ بھینچتے ہوئے بمشکل اپنے غصے کو قابو کیا تھا۔ اس کی لہو رنگ آنکھوں میں اک تیز چمک ابھر آئی تھی۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے سارے غصے کو پینا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد وہ نارمل کیفیت میں آ گیا تھا۔ اس کا غصہ ختم ہو گیا تھا۔ اب وہ بڑے سکون میں کھڑا تھا۔ انتہائی مطمئن حالت میں۔ ٹائی کو گلے سے اتارتا ہوا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا۔ وہ بڑے خوش گوار، دھیمے، مگر اک خاص انداز میں چونکا دینے والے انداز و لب و لہجے میں بولا۔

"آپ کو کس نے کہا، میں ماہ رو کو طلاق دوں گا؟" اس کی آواز پہ لمحہ بھر کے لیے پورے ہال میں سکوت چھا گیا تھا۔ اس قدر سکوت کہ سوئی بھی گرتی تو آواز آ جاتی۔ بھانت بھانت کی بولیوں میں ایک سناٹا اچانک ابھر کر سامنے آ گیا تھا۔ ہر کوئی آنکھیں پھاڑے عون کو دیکھنے لگا۔

"طلاق کے بعد تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ طلاق کے بعد تو میرا انتقام بھی ختم ہو جائے گا۔" اب اس کے چہرے پہ بڑی دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے جھک کر شوز اتارے۔ کوٹ کندھے پہ ڈالا، جوتے اٹھائے، ہر ایک کی آنکھ میں سوال اتر آیا۔ تجسس اتر آیا۔ ہر کوئی اس کے اگلے الفاظ کا انتظار کرنے لگا۔ عون نے بھی اس انداز میں پراسراریت کے وقفے کو مزید طویل کرتے ہوئے بالآخر اس تجسس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ یوں کہ ہر کوئی ہکا بکا اور ششدر رہ گیا۔

"اطلاعاً" عرض ہے والد صاحب! میں آپ کی نقلی بہو کو طلاق ہرگز نہیں دوں گا۔ کسی قیمت پہ بھی نہیں دوں گا۔ میں بس آپ کی نقلی بہو پہ اصلی سوکن لاؤں گا، تاکہ وہ بھی ذلت کا مزا چکھ سکے۔" سب کے خوف

ناک حد تک عجیب تاثرات کو انجوائے کرتا' مسکراتا گنگناتا اپنے بیڈ روم کی طرف جا رہا تھا۔ اس حالت میں کہ کوٹ کندھے پہ جھول رہا تھا۔ ٹائی گلے میں لٹک رہی تھی۔ جوتے ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے۔ ننگے پیر فرش پہ چلتا وہ بڑے دل فریب انداز میں انگلش سونگ گنگنا رہا تھا۔ پھر جیسے ہی اس نے اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولا تھا۔ خوشبو کا معطر' دلنشین' حسین' روح میں اتر جانے والا جھونکا نتھنوں سے ٹکراتا ہوا ایک الوہی' عجیب اور ان چھوا سا احساس بخش گیا۔ ایک ایسا احساس جس سے کبھی بھی عون کی آشنائی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی نہیں' جب باقاعدہ طور پہ فریحہ سے اس کا رشتہ طے ہوا تھا۔ اس وقت بھی نہیں' جب اس کی فریحہ سے شادی ہو رہی تھی۔ یہ ایک ان چھوا احساس تھا۔ اس احساس کا کیا نام تھا۔ کیا احساسات کے نام بھی ہوتے تھے؟ اگر ہوتے تھے تو کیا؟ وہ اپنے ہی کمرے کے دریچے سے پگھلتی شام اودھ کو دیکھتا لمحہ بھر کے لیے اپنے آپ میں بھی نہیں رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور عون عباس شام اودھ کی دل فریبی کو زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس کرتے ہوئے واقعی ہی اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے مبہوت ہو گیا۔ اس نے زندگی میں رنگوں کو اس قدر کسی پہ کھلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ قوس و قزح میں لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ اس نے بائیں پہلو میں ہلچل سی محسوس کی تھی۔ جیسے کوئی گڑبڑاہٹ تھی۔ کسی کے قدموں کی آہٹ تھی۔ کیا "شہر دل" میں کوئی آ رہا تھا؟ اس کی دھڑکنوں میں طلاطم سا اترا۔ بے ترتیبی سی ابھری' ہلچل سی مچی۔

اس کی آنکھوں میں خمار بھر گیا تھا۔ وہ کسی خواب کی کیفیت میں اس کے سامنے کھڑا ہوا بالکل مقابل دلنشین انداز میں دیکھتا ہوا ماہ رو کا دل جیسے کانوں میں دھڑکنے لگا۔ عون کے قدموں میں گرنے لگا اور وہ کسی بھیگے لمحے میں بڑا بے بس ہو کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ماہ رو' سرفراز کے خم و چم سے زیر ہوتا' اس نے کسی فرشتوں سے معصوم لمحے کے زیر اثر ماہ رو کے شفق گال کو چھوا تو اس کی گرم انگلیوں کا لمس اس کے شفق گالوں کی ساری ملائمت میں اترنے لگا۔ ایک لمحاتی سی سحر انگیز کیفیت تھی جس نے دونوں کو بے بس کیا' عون نے جیسے قید محبت کی کھنکھناتی زنجیروں کا حصار کھینچا اور وہ ایک حسین خواب کی طرح اس کے مضبوط بازوؤں میں زنجیر ہو گئی۔

اس نے عون کی دھڑکنوں کو سنا۔ بہت غور سے سنا۔ وہاں ایک پکار مچی تھی۔ عون نے ایک دل نشین ملائمت سے اس کے شفق گالوں پہ زلفوں کے پردے کو ہٹا کر لب و انداز سے چھوا تو ماہ رو سرفراز کو لگا وہ عمر بھر کے لیے سرفراز ہو گئی ہے۔ عون عباس اسے عطا کر دیا گیا تھا۔ ماہ رو سرفراز کو بامراد کر دیا تھا۔ اس نے خود سپردگی کی ہر کیفیت کو دل کی پاگل ہوتی دھڑکنوں سے سنا تھا اور دونوں ہاتھوں کا ہلکا سا دباؤ عون کے سینے پہ ڈالا تھا۔ جیسے دھیرے سے پیچھے کو دھکیلا تھا۔ اس کے لب و انداز کی شدت اور تپش نے ماہ رو کے گال بے انتہا سرخ اور پر حدت کر دیے تھے۔ اس نے بے ارادہ ہی اپنا نازک دودھیا ہاتھ عون کے لبوں پہ رکھا تھا۔ اور جیسے سارا عالم انت انت ہو گیا تھا۔ ہر خواب جیسے آنکھوں سے اتر کر حقیقت بن گیا تھا۔ ہر گرد آلود آئینہ ٹوٹ گیا تھا اور کوئی دھیرے سے کان میں گنگنا رہا تھا۔ شہد امرت اتار رہا تھا۔

نہ خیال ہوں
نہ قیاس ہوں
میں بولتا احساس ہوں

اور پھر نازک سایہ حسین فسوں' لمحوں میں ٹوٹ گیا۔ بولتا ہوا ان کہا احساس دونوں کے دلوں کو متزلزل کرتا شام اودھ کے ساتھ ہی رواں دواں ہو گیا تھا اور کوئی لمحوں میں اتنا قریب آ رہا تھا۔ عون اس سحر طراز کیفیت کو نہ سمجھتے ہوئے جیسے اس فسوں خیزی سے نظر چراتا پیچھے ہٹا اور سنبھل گیا۔ کچھ دیر پہلے کمزور لمحات کی عنایت سے نظر چراتا بالوں میں انگلیاں پھیرتا

دھپ دھپ کرتا واش روم میں گھس گیا تھا۔ یوں کہ دروازہ زوردار دھماکے سے بند ہوا۔ جیسے ساری جھنجلاہٹ دروازے پہ اتاری ہو۔ اور پھر گھنٹہ بھر بعد بمشکل ہی باہر نکلا۔ ماہ رو کو دو مرتبہ ساڑھی سنبھال کر دستک دینا پڑی تھی۔ بالاخر عون کا اشنان مکمل ہوا اور وہ باہر آگیا تھا۔ ماہ رو تولیہ پکڑ کر کھڑی تھی۔ جسے تھام کر بال اور گردن رگڑتا وہ یوں ڈریسنگ کی طرف مڑ گیا تھا کہ ماہ رو کی طرف اس کی پشت نظر آرہی تھی۔ وہ گہرا سانس کھینچتی عون کو دیکھتی رہی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو بھی ہوا تھا۔ وقتی طور پر ہی سہی۔ عون کو ماہ رو کے بہت قریب لے آیا تھا اور ماہ رو ان لمحات کی سرشاری کو عمر بھر نہ بھلا پاتی۔ وہ لمحات جو غیر دانستہ ان کی زندگی میں دبے قدموں آئے تھے اور چپکے سے نکل گئے تھے اور ابھی ابھی تو سرشاری کی کیفیت ہی الگ تھی۔ وہ عون کی پشت کو بے خودی کے عالم میں دیکھتی رہی تھی۔ دیکھتی رہی تھی' یہاں تک کہ اس ارتکاز سے الجھ کر وہ کنگھا ڈریسنگ پہ پھینکتا اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ لیکن ماہ رو کو غور سے اپنی طرف دیکھتا پا کر ذرا جھنجلایا۔

"اور اب اس کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ میں بھی کیسا کمزور نکلا۔ حد ہوئی آج تو۔۔۔" اسے خود پہ شدید ہی غصہ آیا تھا اور ماہ رو اس کے کیسلے خیالات سے مبرا بڑی مخمور نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس کی تو زبان بھی بہت لمبی ہے۔ موقع پا کر جتائے گی اور طنز بھی کرے گی۔" عون بے طرح سے چڑا تھا۔ "بندے کو اتنا بھی بے حواس نہیں ہونا چاہیے۔ اب ہو گیا ہے تو کیا کروں؟ دیکھوں گا کیا کہتی اور کرتی ہے؟ ویسے بھی کون سا گناہ کیا ہے۔ زبردستی کی ہی سہی' بہرحال اپنی چیز تو ہے نا۔" وہ خود کو دلاسا دیتا قدرے مطمئن ہوا تھا۔ پھر بال خوب خوب سنوار کر خاصا سنبھل کے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی دیر کے بعد اس نے کچھ دیر پہلے والے لمحات کے تاثر اور اثر کو زائل کرنے کے لیے بڑا ٹھوس سا مائنڈ ورک کر لیا تھا۔ اسی لیے کچھ دیر قبل چھانے والی جھنجلاہٹ ختم ہو چکی تھی اور بوکھلاہٹ بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ جم کر صوفے پہ بیٹھ گیا اور بڑی دیدہ دلیری سے ماہ رو کا آنکھوں سے ایکسرے کرنے لگا۔

ایک مرتبہ پھر گل فام کے رنگوں سے سجی ماہ رو کو نظر بھر کے دیکھتے ہوئے دل کی سابقہ کیفیات سے ایک دم وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔ دھڑکنوں میں ویسا ہی طلاطم آیا تھا اور اس ستاروں کے رنگوں میں لپٹی شوکیس میں سجا کر بس دیکھ دیکھ کر دل بہلانے والی گڑیا کی کنفیوژن دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا چہرہ پھر سے گل رنگ ہونے لگا۔ پلکیں بار حیا سے جھکنے لگیں۔ تو گویا عون کے دل کا بدلتا موسم ماہ رو کے اندر بہاراں کر رہا تھا؟ عون نے بمشکل دل کو سنبھالا دیا۔ پھر وہ بے سبب اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ جب کچھ اور نہ سوجھا تو خواہ مخواہ ہی ماہ رو پہ چڑھائی کر دی تھی۔ ظاہر ہے 'بھڑاس تو نکالنی تھی۔ کچھ دیر پہلے ابو سے جھگڑ کر آیا تھا اور اب ماہ رو کے ساتھ بلاوجہ ہی لڑ رہا تھا۔ جیسے چند لمحے پہلی والی جھلاہٹ کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

"یہ تم اتنا بیر بہوٹی بن کے کہاں جا رہی ہو؟" اس نے خاصے برہم لہجے میں پوچھا تھا' لیکن چاہ کر بھی اپنے الفاظ کو سخت نہیں کر سکا تھا۔ ورنہ تو ماہ رو سے بولتے ہوئے وہ کبھی الفاظ کی سنگینی پہ غور نہیں کرتا تھا۔ اس وقت پہلی مرتبہ اس نے بے ہودہ کہنے سے پرہیز کیا تھا اور نہ ہی اشتہاری ماڈل کہا تھا۔ آج واقعی کچھ انہونا ہو گیا تھا۔ ماہ رو جیسے سنبھل کر سیدھی ہوئی تھی۔

"ایسے ہی موڈ ہوا تو ساڑھی پہن لی۔"

"کیا کہنے تمہارے شاہانہ موڈ کے۔۔۔ ایسے تیار ہوئی ہو جیسے ولیمے پہ جانا ہو۔۔۔ بندہ گھر میں رہتے ہوئے کوئی گھریلو مناسب سوٹ پہنتا ہے۔ جس میں ایزی فیل بھی کرے۔" بڑے حیران کن انداز میں وہ مشورہ دیتا ماہ رو کو سخت بے ہوش کرنے پہ تلا ہوا تھا۔ اللہ خیر' کوئی طنز نہیں تھا' کوئی طعنہ نہیں تھا۔ کوئی سڑا بسا جملہ نہیں تھا۔

"میں عادی ہوں اور ایزی فیل کر رہی ہوں۔" ماہ رو نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ وہ بھنویں سکیڑ کر بولا۔

"عادی تو تم بہت سی چیزوں کی ہو اور شوقین بھی۔۔۔ "مثلاً" کیا۔۔ کیا۔۔ اس نے دلچسپی سے پوچھا' تو گویا وہ اسے آبزرو کرتا تھا اور زیادہ نہ سہی اسے کچھ کچھ جانتا تھا۔ ماہ رو کے لیے بڑا پر مسرت یہ مقام تھا۔

"یہ ہی کہ لوگوں کو الو بنانا۔۔۔ اپنی مرضی چلانا' ایکٹنگ۔۔۔ جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسنا۔۔۔" وہ جو انگلیوں پر گنوانے لگا تو ماہ رو کا منہ اتر گیا۔ وہ نہ جانے کس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی' لیکن یہ عون بھی نا کبھی خوش نہیں کر سکتا تھا۔

"میں نے کسے الو بنایا؟ کسی کی آنکھوں میں جوتوں سمیت گھسی ہوں؟" اس نے برے دل کے ساتھ پوچھنا چاہا تھا۔

"میری۔۔۔" عون نے آہ بھر کے کہا۔ "اور صرف آنکھوں میں نہیں۔۔۔ دل میں بھی۔۔۔" اگلے الفاظ کہہ کے پچھتایا تھا۔

"آنکھوں میں کیا فائدہ؟ دل ہو تو بات بنتی بھی۔" اس نے شاید اگلے عون کے الفاظ سنے نہیں تھے۔ اگر سنے بھی تھے تو مذاق ہی سمجھا تھا۔ کیونکہ عون کو بھیانک مذاق کرنے کی عادت تھی۔ یہ ابھی ابھی ماہ رو پہ انکشاف ہوا تھا۔

"اگر دل بھی ہو تو۔۔۔؟" عون نے لفظ پکڑ لیے تھے۔ ماہ رو کا خوش فہم دل خوش ہو گیا۔ "کیا واقعی۔۔۔؟" اس نے ایک سرور بھری کیفیت میں پوچھا۔ عون نے فوراً" پینترا بدل لیا تھا اور بڑے ہی روکھے انداز میں کہا تھا۔ اب وہ آرام صوفے پہ نیم دراز ہو رہا تھا۔

"لوگ مذاق پہ بھی سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔" اس نے ماہ رو کی خوب خوش فہمی کا بھرکس نکالا تھا۔ ماہ رو بھی تھوڑا سا تلخ ہو گئی تھی۔

"میرے ساتھ تمہارا مذاق کا رشتہ بنتا ہے؟" اپنے تئیں اس نے عون کو لاجواب کرنا چاہا تھا۔ عون نے ذرا استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا اور بولا۔

"مذاق کا نہ سہی۔۔۔ ایک دوسرا رشتہ تو بنتا ہے۔" عون نے گہری نگاہ اس کے بھرپور ایمان ڈول دینے والے سراپے پہ ڈالی تھی۔ بلیو ساڑھی میں اس کا جگمگاتا حسن آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ لمبے کھلے حسین بال۔۔۔ دلنشین آنکھیں۔۔۔ دودھیا سراپا۔۔۔ وہ ایک مکمل حسن رکھتی تھی۔ اگر کوئی اور صورت حال ہوتی تو وہ ماہ رو کو شاید کبھی نظر انداز نہ کر سکتا۔ لیکن اب بیچ میں بہت لمبی بدگمانیوں کی خلیج کھڑی تھی۔ ماہ رو کو عون تک آتے آتے بڑا لمبا سفر کرنا تھا۔

"تم نے کب اس رشتے کو سمجھا؟" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے زخمی لہجے میں بولی۔

"اور کیا تم نے کوشش کی؟" عون نے الٹا تیوری چڑھا کر پوچھا تھا۔

"تم نے مجھے موقع دیا؟" ماہ رو کے منہ سے بے ارادہ ہی پھسل گیا تھا۔ پھر وہ بات کر کے پچھتائی تھی۔ کیوں کہ عون صوفے سے لیٹا لیٹا اٹھ گیا تھا۔ پھر اس کا کچھ دیر پہلے والا موڈ بدل گیا۔ چڑھتا غصہ ڈھل گیا۔ اور طنزیہ انداز بھی بدل گیا۔ گو کہ ہوتی یہ لمحاتی کیفیت تھی۔ وہ لمحہ بہ لمحہ روپ بدلنے والا تھا۔ پل میں نرم ہو جاتا۔ پل میں گرم ہو جاتا۔ پل میں دھوپ ہو جاتا۔ پل میں بادل ہو جاتا۔

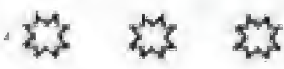
"تو اب موقع لے سکتی ہو؟ جو تیر چلانا ہے چلا لو۔ میرے دل کو موڑ سکتی ہو تو موڑ لو۔" لمحہ بھر بعد وہ بڑے استہزائیہ لہجے میں کہہ رہا تھا یوں کہ ماہ رو کا دل کٹنے لگا۔

اس شخص سے ماہ رو نے محبت کی تھی۔ بغیر سوچے سمجھے نہ اچھائیوں سے نہ برائیوں بس اس کے وجود نے کیا اس پتھر سے سر پھوڑا تھا' جس کے نزدیک ماہ رو کی زندگی کچھ بھی نہیں تھی۔ اور وہ ایک مذاق سمجھ کر اس کے جذبوں کو خاک دھول کر دیتا تھا۔ ماہ رو کو پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا کہ واقعی ہی۔

"ہم کسی سے اپنی مرضی اور چاہ سے محبت تو کر سکتے ہیں لیکن کسی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم بھی مجھ سے محبت کرو۔ اور نہ ہی اسے خود سے محبت کرنے پہ مجبور کر سکتے ہیں۔"

ماہ رو کے چہرے پہ پھیلی اذیت کو محسوس کرتے' اس کا چہرہ پڑھتے' تاثرات سمجھتے ہوئے عون نے ایک

مرتبہ پھر پینترا بدل کے کہا تھا۔
"تم چند چیزیں کلیئر کردو۔۔۔ ہمارا حساب برابر ہو جائے گا؟" عون نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے خود بھی ویسی ہی اذیت محسوس کی تھی جس سے ماہ رو گزر رہی تھی۔
ماہ رو خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ جیسے کہنا چاہتی ہو "کیا؟"



وہ لانڈرنگ کر رہی تھی جب اس کی امی پورے گھر میں اسے تلاش کرتی پچھلے صحن میں آگئی تھیں۔ پھر اسے عون کے کپڑے دھوتے دیکھ کر ماتھے پہ بل ڈالتے ہوئے سخت کھردرے، بے زار لہجے میں بولیں۔
"تم سا احمق کوئی نہیں ہوگا فریحہ! عون کی نوکرانی بن کے کیا تم اس ماہ رو کو اس گھر سے نکال سکو گی؟ اور وہ مہارانی ماڈل گرل بنی ساڑھی پہنے ملکاؤں کی طرح دندناتی پھر رہی ہے۔ تم یہاں ماسی بن کر کون سی کہانی رقم کر رہی ہو؟ کون سا تمغہ تمہیں ملے گا؟" امی غصے سے پھٹ پڑی تھیں۔ فریحہ سنی ان سنی کر کے سرف میں شرٹس رگڑتی رہی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہی تھا۔
"تم بھائی جی کی اولاد، ان کی بیوی، بیٹی اور بہوؤں کی نوکر نہیں ہو۔ یہ کام عون کی بیوی کرے تو چار دن بھی نہ ٹکے۔ اس پہ کوئی ذمہ داری ہی نہیں۔۔۔ بھابھی جی نے اسے سر پہ بیٹھا رکھا ہے۔ عون باہر تو یوں ظاہر کرتا ہے جیسے اس لڑکی سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔۔۔ لیکن لکھوا لو مجھ سے۔ ساری ڈرامہ بازی ہے۔ عون نے خود ہی چکر چلایا ہوگا۔ تبھی تو وہ لڑکی عون پہ فدا ہے۔ اگر عون منہ نہ لگاتا تو کب کی لعنت بھیج کر جا چکی ہوتی۔ شوہر کے مان پہ یہاں ٹکی بیٹھی ہے۔" امی کا لہجہ سخت کھردرا اور بے زار تھا۔ "میری بات سنو فریحہ! چھوڑو یہ سب۔" انہوں نے زبردستی بالٹی اس کے تسلط سے آزاد کروائی تھی۔ اب وہ جھاگ والے ہاتھ لیے گم صم سی بیٹھی تھی۔ حالانکہ اس کا ذہن اب بھی مصروف عمل تھا۔

"تمہاری خالہ کا فون آیا تھا۔۔۔ بڑا اچھا رشتہ بتا رہی ہیں۔۔۔ تمہارے ابا سے بات کرلوں۔ پھر ہاں کروں گی۔ تم کہو ان لوگوں کو بلوالوں۔" امی نے بڑی بے تابی سے فریحہ کو تفصیلات بتائی تھیں۔ فریحہ کی بے زاری کسی طرح بھی کم نہ ہو سکی۔ اور بے نیازی کا بھی وہی حال تھا۔
"فریحہ! کیوں اس کمینے کے لیے خود کو برباد کر رہی ہو۔ کیوں نہیں سمجھتی کوئی لڑکی ایسے کسی لڑکے کے پیچھے پاگل نہیں ہوتی جب تک لڑکا اسے سبز باغ نہ دکھائے۔ عون نے اسے اپنی طرف مائل کیا ہوگا تبھی وہ گھائل ہو کر یہاں تک پہنچ گئی۔۔۔ چلو مان لیتی ہوں۔ عون ایسا نہیں۔۔۔ لیکن وقتی طور پر تو انسان شیطان کے بہکاوے میں آجاتا ہے نا۔۔۔ پھر سامنے ماہ رو جیسی قیامت ہو۔ عون کا دل پھسل گیا ہوگا۔ جانے اس سے کیسے تعلقات بنا لیے ہوں گے۔ ماہ رو نے بھی موقع فراہم کیا ہوگا۔ کیا پتا، عون نے ٹائم پاس کرنے کے لیے ماہ رو سے دوستانہ بنایا ہو۔ سوچتا ہوگا۔ شادی تو طے ہے۔ خاندانی لڑکی سے ہو جائے گی۔ باہر تھوڑی عیاشی کرلے۔ پھر چھوڑ دینے کا ارادہ ہوگا۔ لیکن یہ امیر زادی عون کے گلے پڑ گئی۔ اور اچھا ہوا گلے پڑ گئی۔ ہماری جان چھوٹ گئی۔ ہم بچ گئے۔ اللہ کا شکر ہے۔ بروقت بچ گئے۔ شادی کے بعد پول کھلتا تو ہم تم کیا کر لیتے۔۔۔ اسی لیے کہتی ہوں۔ مٹی ڈال اس کمینے پہ۔۔۔ اللہ نے تمہارے جوڑ کا بہت اچھا بندہ بنایا ہوگا۔ تم از کم اس عون سے ہزار درجہ بہتر ہوگا۔" امی نے لمبی حکایت بیان کر کے بے ساختہ فریحہ کا ماتھا چوما تھا۔
"تو خوامخواہ عون کو ہر ایک کے سامنے سچا بنانے پہ تلی ہے۔ ارے، مرد کا کیا بھروسا! باہر سات سو عورتوں سے آنکھ لڑا کر گھر میں معصوم بن جاتا ہے۔ میں تو اول روز سے ہی جانتی تھی۔ اس سارے شرم ناک قصے میں عون کا ہی ہاتھ تھا۔ اتنا نیک چلن تھا، اتنا سچا تھا تو اسے چھوڑتا کیوں نہیں؟ وہ زبردستی اس کے پیچھے آئی تھی تو اب طلاق کیوں نہیں دیتا؟ اس کا فرض تھا کھڑے کھڑے اسے گھر سے نکال دیتا اور تم سے نکاح

کرتا۔۔۔ لیکن بات تو واضح ہے۔
عون نے خود ماہ رو کو ورغلا کر چکر چلایا۔۔۔ اس سے تعلقات استوار کیا۔ پھر اپنے باپ کے خوف سے ماہ رو کی محبت سے جان چھڑوانی چاہی اور خود ہی پھنس بھی گیا۔ کیونکہ ماہ رو کوئی عام لڑکی نہیں جو عون سے دب جاتی۔ وہ ڈنکے کی چوٹ پہ آگئی۔ عون کے مراد بر آئی۔ اس نے ہماری آنکھوں میں دھول جھونکی ہے فریحہ! ورنہ اپنی بیوی کے ساتھ راضی برضا ہے خوش ہے۔ اس کی خاطر نوکری بھی کرلی۔ اور زبردستی نوکری پہ بھی جانے لگا۔ اور یہ تیرے تایا کی بھی کوئی چال لگتی ہے۔ بیچ میں یہ سب ملے ہوئے تھے۔ انہوں نے مل کر ہمیں بیوقوف بنایا ہے۔ عون کی شادی جان بوجھ کر تم سے تڑوائی۔ ان کی نیتوں میں ماہ رو کی دولت دیکھ کر فتور آگیا تھا۔۔۔" امی ایک ہی سانس میں ایسا شروع ہوئیں کہ آخر میں ہانپنے لگیں۔ فریحہ نے ٹونٹی کھول کر امی کو پانی پلایا تھا۔ پھر خود بھی پانی پی کر اندر لگی آگ کو بجھانے لگی تھی۔ اس نے امی کی ہر بات سن لی تھی۔ سمجھ لی تھی۔ غور بھی کرلیا تھا۔ جو بات امی اتنی عرصے بعد اب سمجھ پائی تھیں وہ فریحہ نے اول روز ہی سمجھ لی تھی۔

اسے ابا نے بتایا تھا۔ کئی مرتبہ بتایا تھا کہ تمہاری سہیلی رحمان پلازہ بہت آتی ہے۔ پہلے تو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اب متواتر آتی ہے۔ فریحہ کے اپنے سورسز (ذرائع) بھی بہت تھے۔ اسے ہما نے بھی کئی مرتبہ بتایا تھا۔ ماہ رو تمہارے کزن میں انٹرسٹڈ لگتی ہے۔

ماہ رو وہاں جاتی تھی۔ یا بلوائی جاتی تھی؟

تب فریحہ اس وہم میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اس کی چند دن بعد شادی تھی سو وہ وہم میں کیوں پڑتی۔۔۔ اور تب فریحہ کو لگتا تھا۔ ہما جلن میں اسے ڈبل مائنڈڈ کرنا چاہتی ہے۔ وہ فریحہ سے جلتی ہے۔

لیکن یہ خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ ان کی وجوہات تھیں اور ٹھیک وجوہات تھیں۔

ماہ رو اور عون ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہو سکتے تھے۔ اور واقعی ہی ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ماہ رو میں جو سب سے بڑی خوبی تھی۔ وہ اس کا بے داغ حسین سراپا تھا۔ جو کسی بھی مرد کو اسیر کرلیتا۔

اور عون عباس ماہ رو کا اسیر ہو گیا تھا۔ مانتا یا نہ مانتا۔ تسلیم کرتا یا نہ کرتا۔ اگر ابھی تک بھی مکر رہا تھا تو فریحہ کی بلا سے۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی، عون کب تک اور کہاں تک مکرتا ہے؟

مہندی والی رات پنڈال میں جانے سے پہلے اسے ایک فون کال موصول ہوئی تھی۔ ایک ایسی کال جس کی فریحہ کو نہ توقع تھی اور نہ امید تھی۔ نہ گمان میں تھا اور نہ خیال میں تھا۔

کال کرنے والی عورت شازمہ تھی۔ ماہ رو کی ماں۔۔۔ جب اس عورت نے تعارف کروایا تب فریحہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

وہ شازمہ تھی جو عون کے بارے میں فریحہ سے کرید کرید کر پوچھ رہی تھی۔ عون کیسا ہے؟ کس مزاج کا ہے؟ تعلیم کیا ہے؟ کرتا کیا ہے؟ فریحہ نا سمجھی کے عالم میں بتاتی رہی۔ گو کہ وہ اتنی نا سمجھ نہیں تھی۔ پھر بھی اچانک کچھ کنفیوز ضرور ہو گئی تھی۔ اسی گھبراہٹ میں وہ تمام سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ پھر فریحہ کے سر پہ شازمہ نے جیسے دھماکا کیا تھا۔

"ایکچوئلی! عون، ہماری ماہ رو میں انٹرسٹڈ (دلچسپی رکھتا) ہے۔ یو نو ماہ رو کے لیے پرپوزلز کی کمی نہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک لڑکا ہمارے سرکل میں ہے۔ لیکن ماہ رو کے ڈیڈی کسی مڈل فیملی میں رشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں مڈل لوگ بہت لونگ ہوتے ہیں اور قدر دان بھی۔ عون ماہ رو سے محبت کرتا ہے اور ہماری ماہ رو بھی۔۔۔ ابھی تک اس نے پرپوزل نہیں بھیجا۔۔۔ اینی وے یہ اس کا ہیڈک ہے۔۔۔ او کے بائے۔۔۔ پھر بات کروں گی۔ عون کے بارے میں انفارمیشن چاہیے تھیں' سو مل گئیں۔" عجیب پاگل عورت تھی۔ خواہ مخواہ اول فول بکے چلی جا رہی تھی۔ اور اس پاگل سے زیادہ فریحہ نادان نکلی جو اس عورت کی بکواس کا جواب دیتی رہی۔

تب فریحہ نے اس عورت کی بکواس کو بکواس سمجھ

کر بھول جانا بہتر سمجھا۔ حالانکہ کوئی بھی بات معمولی ہرگز نہیں تھی۔ پہلے اس نے سوچا 'امی کو بتائے۔ پھر امی کی پریشانی کے خیال سے خاموش ہوگئی تھی۔ بعد میں اسے شازمہ کو سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اس کی کزنز کا جھرمٹ پہنچ گیا تھا اور اسے پنڈال میں لے جایا گیا۔ لیکن اس کے بعد ہوا کیا؟ شازمہ کی بکواس سچ ثابت ہوگئی؟

اور عون کا سارا پول کھل گیا۔ اسی رات ہی عون فریحہ کے دل سے اتر گیا تھا۔ اسی رات ہی فریحہ نے عون کو اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔

گو کہ بھولنے میں 'ذہنی طور پر اس صدمے سے نکلنے میں فریحہ کو بہت وقت لگا تھا۔ لیکن اس نے خود کو مضبوط کرلیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر وہ پورے قد سے زمین پہ کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ عون کو بھول گئی تھی۔

لیکن کیا وہ اپنی ذلت کو بھول سکی تھی! اس توہین کو بھول سکی تھی جو عون اور ماہ رو نے اس کے جذبات روند کر کی۔ شادی توڑ کر پورے زمانے کے سامنے رسوا کرکے کی۔ عون نے اور ماہ رو نے جو بھی کیا بہت برا کیا۔ پوری پلاننگ سے کیا۔ وہ ماہ رو سے سو مرتبہ شادی کرلیتا۔ جب دل کرتا شادی کرلیتا۔ لیکن فریحہ کو تماشا نہ بناتا۔ کم از کم شادی کا ڈرامہ رچا کر نہ کرتا۔

صاف صاف فریحہ کو ماہ رو کے متعلق بتا دیتا۔ وہ خود بخود رستے سے ہٹ جاتی۔ اس شادی کو توڑ دیتی۔ کیونکہ فریحہ کبھی بھی ایک ایسے شخص کی بیوی نہ بنتی جس کی یادوں اور دل میں اس کی سہیلی کا تصور ہوتا یا محبت ہوتی لیکن جو عون اور ماہ رو نے اس کی زندگی کے ساتھ مذاق کیا تھا۔ وہ بھولنے والا نہیں تھا۔

فریحہ بھی ویسی ہی گیم کھیل کر عون کو برباد کرنا چاہتی تھی 'رسوا کرنا چاہتی تھی 'اس نے ماہ رو کی خاطر اسے برباد کیا تھا خود ماہ رو کے ساتھ کیسے آباد ہو سکتا تھا؟ فریحہ اسے کس طرح سے آباد ہونے دیتی؟ اور امی کہتی تھیں۔ ان کی بیٹی بھولی ہے۔ نادان ہے سادہ ہے.... اور لوگ اس کی معصومیت سے فائدہ اٹھا کر اسے نوکر بنائے ہوئے ہیں.... وہ عون کی نوکرانی بنی ہوئی ہے۔

اس کی بھولی امی فریحہ کی ذہانت اور فہم سے واقف نہیں تھیں۔ وہ ماہ رو سے زیادہ ذہین 'شاطر دماغ 'عقل مند اور چالاک تھی۔ بظاہر کم گو 'سنجیدہ 'دبو لیکن دماغ کے معاملے میں بہت تیز۔ وہ ماہ رو کو اپنی ذہانت سے پچھاڑنے کا ارادہ کرچکی تھی۔

اس کی امی کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا۔ عون سے تعلقات استوار کرنے کے پیچھے کیا وجوہات تھیں؟ پہلی بات اس کا اعتبار اور اعتماد لوٹانا.... دوسری بات اس کو اعتماد میں لینا.... اسے معاف کرکے اعلا ظرفی کی عظیم مثال قائم کرنا۔ اس کی نگاہ میں بلند اور بلند ہو جانا.... عون کا بھروسا حاصل کرنا.... اسے پھر سے قابو میں کرنا۔ ماہ رو اور عون کو الگ کروانا.... بڑی ہوشیاری سے ماہ رو کا پتا کاٹ دینا۔

اتنی صفائی کے ساتھ وہ پشت میں خنجر گھونپ دینا چاہتی تھی جس قدر صفائی کے ساتھ ماہ رو اور عون نے اس کی پشت میں خنجر اتار دیا تھا اور پورے زمانے کے سامنے معصوم اور مظلوم بھی بن چکے تھے۔ ان سے بڑھ کر ہوشیار بھلا کون تھا؟ اور اب فریحہ باقاعدہ طور پر اپنی گیم کا آغاز کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ حالات سازگار بھی تھے اور کنٹرول میں بھی تھے۔

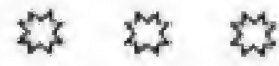
عون ایک مرتبہ پھر اس کی مٹھی میں تھا۔ کیونکہ فریحہ سے شادی توڑنے کے گلٹ (گناہ) اور شرمساری کے فیز سے نہیں نکلا تھا نہ فریحہ اسے نکلنے دینا چاہتی تھی۔

وہ عون سے اس وقت ہر بات منوا لینے کی پوزیشن میں آچکی تھی۔ عون اسے مظلوم بھی سمجھتا تھا اور اپنا ہمدرد بھی.... یوں فریحہ کو اپنی پلاننگ فل طریقے سے ہینڈل کرنے کے لیے سازگار حالات مل گئے تھے۔

اگر اس گیم میں ماہ رو کو مات ہوئی 'فریحہ کی خواہش کے عین مطابق عون اسے طلاق دے دیتا تو یہ فریحہ کی پہلی کامیابی تھی۔

طلاق کے بعد اگر عون فریحہ کی طرف بڑھ آتا.... اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتا تو یہ فریحہ کی دوسری کامیابی تھی۔

اور اگر عون، ماہ رو کو طلاق دے کر فریحہ تک نہ بھی آتا۔ فریحہ سے شادی نہ بھی کرتا تب بھی فریحہ شکست خوردہ کبھی نہ ہوتی۔ فاتح ہی رہتی۔ اس لیے کہ دنیا بڑی وسیع تھی اور ایک عون عباس پہ ختم نہیں ہو جاتی تھی۔ لیکن فریحہ یہ نہیں جانتی تھی ماہ رو سرفراز کے لیے دنیا بڑی چھوٹی تھی اور صرف عون عباس پہ ختم ہو جاتی تھی۔



اور کبھی کبھی زندگی میں در آنے والا ایک لمحہ پوری زندگی کو بدل دیتا ہے۔

ماہ رو کی زندگی میں وہ خوش نصیب لمحہ جگمگاتا ہوا آ گیا تھا۔ وہ پوری عمر بھی اس گھر میں عون کی بے اعتنائی سہتے سہتے گزار دیتی تب بھی اس ایک لمحے کی سرشاری کا خاتمہ کبھی نہ ہوتا۔ وہ ایک لمحہ جو پوری زندگی پہ بھاری تھا۔ وہ ایک لمحہ جو پوری زندگی پہ محیط تھا۔ وہ اس ایک لمحے کی عنایت پہ ایسی معطر ہو چکی تھی کہ اس کی جیٹھانیاں ماہ رو سے پوچھ پوچھ کے تھک جاتیں۔

"ماہ رو! بتاؤ گلابوں میں ڈھل کر کہاں سے آ گئی ہو؟" ثنا مسکرا مسکرا کر کریدتی۔ پھر اسے چھیڑتی۔

"یاروں سے بھی پردہ داری...؟" کبھی مریم حیرانی سے پوچھنے لگتی۔

"بنارسی صبح نے تم پہ سایہ کر رکھا ہے... یا دیورجی کا کمال لگتا ہے۔" اس کی حیرانگی اور تعجب کسی طور پر کم نہیں ہوتا تھا۔ اور ماہ رو ہنس ہنس کر بے حال ہو جاتی۔ گل و گلزار ہو جاتی۔ سراپا گلاب ہو جاتی۔ ان دونوں ماہ رو پہ دلکشی کا ہن برس رہا تھا۔

کئی مرتبہ تو عون بھی چونک جاتا۔ ٹھٹک جاتا۔ پھر جھنجلا جاتا۔

"تم یہ پارلروں کے چکر لگانے بند کر دو۔" عون کے غصے پہ ماہ رو حیران رہ جاتی۔

"میں تو عرصہ ہوا پارلر نہیں گئی۔" ماہ رو سر تھام کے بیٹھ جاتی تھی۔ "یہ عون بھی نا..."

"تو پھر؟ یہ..." وہ اس کے حسن پہ کمنٹ دیتا دیتا رک جاتا تھا۔ تعریف کرنا تو گوارا ہی نہیں تھا۔ بس تنقید کر سکتا تھا اور تنقید بڑی دل جمعی سے کرتا تھا۔

"یہ تمہارا حسن نظر ہے... اور کچھ نہیں۔" ماہ رو بھی شرارتاً اسے چھیڑنے لگتی۔

"میں تمہیں اتنی حسین لگتی ہوں۔ حالانکہ یہ ڈریس رات سے پہن رکھا ہے... اور بال بنانے کا بھی ٹائم نہیں ملا۔" وہ بھی ماہ رو سرفراز تھی۔ بات کی جان ہی نہ چھوڑتی۔ گھما پھرا کر جتاتی۔

"اور آج تو منہ بھی نہیں دھویا۔" اس کی آنکھیں جگر جگر کرتیں اور مسکراہٹ ہونٹوں سے کبھی جدا نہ ہوتی اور تب عون جھنجلا کر باہر نکل جاتا تھا جیسے لاجواب ہو جاتا تھا۔

وہ ایسا ہی ایک بھیگا بھیگا سا دن تھا۔

موسم کے بدلتے ہی گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ پھر یہ برسات کے دن تھے۔ کبھی کبھی تو متواتر بارش ہوتی۔ رات دن لگاتار مینہ برستا تھا۔ بہت سہانا سماں ہو گیا۔ بڑے خوش گوار دن اور بڑی پرسکون ٹھنڈی راتیں ہو چکی تھیں۔

ڈیڈی کو کچھ ہارٹ ٹربلنگ ہوئی تو شازمہ انہیں ابراڈ لے جا رہی تھی۔ ان کا منتھلی (ماہانہ) چیک اپ کروانے۔ جانے سے پہلے وہ لوگ ماہ رو کے گھر ملنے کے لیے آئے تھے۔ اور ڈیڈی ہنستی مسکراتی ہیروں کی طرح دمکتی ماہ رو کو دیکھ کر ہمیشہ کے لیے مطمئن ہو گئے تھے۔ اور جب ڈیڈی لوگ جانے لگے تب ڈیڈی سے عون کی امی نے بڑی سادگی بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ جب آئیں گے بھائی صاحب! تو عون کا ولیمہ کروں گی بہت دھوم دھام سے۔" امی کے سادگی بھرے لہجے میں کہے گئے الفاظ پہ ڈیڈی تو مسکرا کر سر ہلا گئے تھے لیکن شازمہ نے اپنا مخصوص کھٹا میٹھا انداز اپنا کر بات پکڑنا ضروری سمجھا تھا۔

وہ نزاکت سے مسکراتی ہوئی بڑے انداز میں بولی۔

"بہن! کچھ زیادہ جلدی نہیں کر رہے آپ۔ ایک سال بعد کر لیتے... ابھی تو صرف دو ماہ ہی گزرے ہیں۔" شازمہ کے مخصوص کھنکتے لہجے اور الفاظ پہ مریم

ثنا، کائنات اور ماہ رو ہنس ہنس کر بے حال ہو چکی تھیں۔ تب مریم نے ثنا کے کان میں گھس کر کہا۔

"ایک سال بعد ٹھیک رہے گا۔ تب تک بچہ بھی اپنے ابا کا ولیمہ اٹینڈ کرنے آجائے گا۔"

رات تک عون اور ماہ رو کا ولیمہ ہی ڈسکس ہوتا رہا۔ امی شازمہ کے طعنے پہ سیریس ہو چکی تھیں اور اب جلد از جلد عون کا ولیمہ کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے ڈیڈی کے واپس آجانے کے بعد ہی تقریب ہوسکتی تھی۔ بڑے ہال میں ہمیشہ کی طرح محفل جمی تھی۔ سب لوگ ہی موجود تھے۔ سوائے فریحہ کی فیملی کے۔

امی اور ابو ذرا الگ تھلگ کوئی گتھی سلجھانے میں مصروف تھے۔ باقی سب لوگ ذرا فاصلے پہ پھل جھڑیاں چھوڑتے عون کے ولیمے پہ تبصرے کررہے تھے۔

کائنات کو اپنے ڈریس کی فکر پڑ گئی تھی۔ ثنا اور مریم بھی کپڑوں پہ ڈسکشن (گفتگو) کرنے لگیں۔ ماہ رو عاشر سے گپ لگا رہی تھی۔ جب عون بھی دفتر سے آگیا۔ خاصا تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ نوکری اور اپنے کام میں بہت فرق تھا۔ وہاں حکم چلانا ہوتا تھا۔ نوکری میں حکم ماننا ہوتا تھا۔ سو اچھے بھلے جاب کا شوق پورا کرتے ہوئے صاحب کے کس بل نکل رہے تھے۔

عون کے آتے ہی محفل کا رنگ بدل گیا تھا۔ ثنا اور مریم جیسے فارم میں آگئیں۔

"دیور جی! آپ کے لیے خوش خبری ہے۔" ثنا نے مسکراتے ہوئے عون کو بھی گفتگو میں شامل کیا۔

"ہیں جی؟ کون سی؟ کیا ماہ رو بھی اپنے ڈیڈی کے ساتھ ابراڈ جا رہی ہے؟" عون نے اس انداز میں کہا۔ جیسے اس خبر کے لیے کان ترس رہے تھے۔ ماہ رو کا اچھا بھلا موڈ خراب ہوا تھا۔

"تم مجھ سے اتنے تنگ ہو تو چلی جاتی ہوں۔" وہ تنک کر بولی تھی۔ منہ میں آئی منہ پہ مار دیتی تھی آخر ماہ رو سرفراز تھی۔

"دھمکی کیوں دیتی ہو، عمل کر کے دکھاؤ۔" عون نے اسے اور بھی تپ چڑھائی تھی۔ ان کی ایسی گرما گرم لڑائیاں عام روٹین کا حصہ تھیں۔ ایک سیر تھا دوسرا سوا سیر۔ برداشت دونوں میں بالکل نہیں تھی۔

ثنا کو بیچ میں مداخلت کر کے سیز فائر کروانا پڑا تھا۔ پھر وہ ڈپٹ کر رعب سے بولی۔

"دیور جی! آپ ہمیشہ رنگ میں بھنگ ڈالتے ہیں۔"

"اسے اٹھا کر باہر پھینک آؤ۔" عاشر نے بڑا مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

"عون کو باہر پھینک دیا تو ولیمہ کس کا کریں گے۔" مریم نے عاشر کو دھپ لگائی تھی۔ تب اٹھتا ہوا عون لمحہ بھر کے لیے چونک گیا تھا۔

"ولیمہ؟" اس نے حیرت سے حاضرین محفل کو دیکھا تھا۔ "کس کا ولیمہ ہو گا؟"

"تمہارا۔" ثنا نے مسکرا کر بتایا۔

"لیکن کیوں؟" عون نے تعجب سے پوچھا۔

"گھامڑ! ولیمہ کیوں کیا جاتا ہے؟ اعلان شادی کے لیے..... امی چاہتی ہیں سارے رشتے داروں کو اکٹھا کیا جائے۔" عاشر نے بھنا کر کہا تھا۔ عون چڑ سا گیا۔

"تاکہ پھر تماشا لگے؟" وہ تپ کر اٹھنے لگا تھا۔ پھر عاشر نے ٹانگ مار کر اسے واپس بٹھالیا۔

"جو بھی کہو..... ولیمہ تو ہو کر رہے گا۔" اس نے اطلاعاً "عرض کیا تھا۔ تاکہ عون سمجھ لے۔ امی ابو نے فائنل فیصلہ کر دیا ہے۔ سو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ کچھ سوچ کر عون بھی چپ کر گیا۔ پھر دلچسپی سے ان کی باتیں سنتی ماہ رو کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنے مخصوص اسٹائلش پیرہن میں بال بکھرائے مسکرا رہی تھی۔ جیسے ان کی گفتگو انجوائے کر رہی تھی۔ اس کے لمبے کھلے ریشمی بال دائیں کندھے پہ آگے کی طرف گرے ہوئے تھے۔

عون کو خوامخواہ الجھن ہونے لگی۔ ایک تو اس کی لاپروائیاں.....؟

اردگرد تین چار دیور بیٹھے تھے۔ ساس سسر بھی موجود تھے اور محترمہ بیچ میں بال کھولے بڑی بے حیائی سے اپنا ولیمہ ڈسکس کر رہی تھیں۔ ثنا اور مریم سے

لباس فاخرہ کے متعلق گفت و شنید ہو رہی تھی۔

عون نے لمحہ بھر کے لیے سوچا تھا پھر اٹھ کر جانے سے پہلے بولا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے ولیمہ کی۔ میرے دونوں ولیمہ اکٹھے ہی کرلینا۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکراتا ہوا ماہ رو کو دیکھ کر اور بھی مسکراہٹ کو پھیلا رہا تھا۔ اور ماہ رو کی مسکراہٹ ایک لمحے میں ہی سمٹ گئی تھی۔

حاضرین کو جب عون کی بات سمجھ میں آئی تو سب نے اسے ملامت کرنا شروع کردیا۔ عون نے کان دبا کر نکل جانا ہی مناسب سمجھا... لیکن جانے سے پہلے فریحہ کا ضرور پوچھا تھا۔

"فریحہ کہاں ہے؟ کھانا کون دے گا؟ اتنی بھوک لگی ہے۔ کسی کو کھانا پوچھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ فریحہ نہ ہو تو ہم لوگ بھوکے ہی مرجائیں۔" وہ دل کی جلن باہر نکالتا مڑنے لگا جب ثنا اور مریم بیک وقت بول پڑی تھیں۔ ان دونوں کو اچھا بھلا غصہ آگیا تھا۔ عون کو کان دبانے ہی پڑے تھے۔

"کھانا تمہاری بیوی دے گی اور پکایا تمہاری بھابھیوں نے ہے۔ ہمارے ہاتھ سلامت ہیں۔ ہم فریحہ کے محتاج نہیں۔" ثنا اور مریم نے اچھی بھلی کلاس لی تو عون جان چھڑاتا بھاگ نکلا تھا۔ تب ماہ رو بھی جلدی سے کشن گود سے گرا کر بھاگتی ہوئی کچن میں آگئی تھی۔



اس نے کھانا اوون میں گرم کر کے کچن ٹیبل پہ ہی لگا دیا تھا۔ عام روٹین میں کھانا دسترخوان پہ ہی لگا کرتا تھا لیکن جب یوں الگ الگ کھانا پڑتا تو جیسے دل چاہتا ویسے کھا لیا جاتا۔ چاہے اپنے کمرے میں یا پھر کچن میں۔ آج چکن منچورین تھا۔ ساتھ تندوری روٹی، سلاد اور پانی۔ ماہ رو کھانا لگا کر اس کا انتظار کرنے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد فریش سا کچن میں آ ہی گیا تھا۔ جیسے ہی وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھا، ماہ رو بھی برابر ہی بیٹھ گئی۔ پھر اس نے اسٹول کھینچ کر تھوڑا پیچھے کیا تھا کیونکہ ساتھ اسٹول رکھنے پہ عون نے گھورنے کی کوشش فرمائی تھی۔

ماہ رو نے اس دفعہ اسٹول مقابل رکھ لیا تھا۔ اب وہ عون کے لیے سالن نکال رہی تھی۔ پھر سلاد سامنے کیا۔ اور گلاس میں پانی ڈالا۔ جیسے ہی عون نے پہلا روٹی کا نوالہ توڑا... ماہ رو نے بھی اپنی روٹی کا نوالہ توڑ لیا۔ عون نے تھوڑا ترچھی نظر سے ماہ رو کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟ رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔" ماہ رو نے بے ساختہ نفی میں سرہلا کر زبان بھی برابر ہلائی تھی۔

"نہیں۔"

"کیوں؟" عون نے پوچھا۔

"تمہارا انتظار کر رہی تھی..." ماہ رو نے بنا جھجک کے بتا دیا تھا۔ حاضر جواب تو وہ بلا کی تھی اور اعتماد بھی لاجواب تھا۔

"وجہ؟" اس نے ایک بھوں اچکا کر کہا۔

"تاکہ ایک ساتھ کھانا کھائیں..." ماہ رو نے اطمینان سے جواب دیا تھا۔ دونوں کا پہلا پہلا نوالہ ابھی ہاتھ میں ہی تھا۔ وہ نوالہ ہاتھ میں پکڑے کچھ متعجب ہوا۔

"آج سے پہلے یہ تردد کیوں نہیں کیا؟"

"تاکہ تمہیں برا نہ لگے۔" جواب برجستہ تھا۔

"اور اگر اب برا لگے تو؟" عون نے کھرے لہجے میں کہا۔ "کیا تم کھانا چھوڑ دو گی؟"

"نہیں۔" اس کی سنجیدگی قابل دید تھی۔

"تم زبردستی کرو گی؟" اس نے پھر سے سوال کیا۔

"ہاں۔" ماہ رو نے اثبات میں سرہلایا۔

"کیونکہ تم زبردستی کرنے کی عادی ہو۔" اس کا لہجہ کچھ طنزیہ ہو گیا۔ ماہ رو نے شدومد سے ایک مرتبہ پھر سرہلایا۔

"واقعی۔"

"اور تم جوتوں سمیت آنکھوں میں بھی گھس جاتی ہو رائٹ؟" عون نے پھر سے طنزیہ لہجہ اپنایا۔

"اور جوتوں سمیت دل میں بھی گھس جاتی ہوں رائٹ؟" اس نے عون کے انداز میں جواب دیتے ہوئے سوال کیا تھا۔ عون اب تو لمحہ بھر کے لیے چپ ہوا۔ اور جب وہ جواب دینا نہیں چاہتا تو بات بدل دیتا تھا اور یہ اس کی پرانی عادت تھی۔ اور وہ اس پہ پورا پورا قائم تھا۔ اس نے اب بھی بات بدل دی تھی اور بات کو وہیں پہ لے گیا تھا جہاں سے شروعات ہوئی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر سابقہ انداز میں کہا۔

"اور اگر میں رات بھر نہ آتا تو؟" وہ پوچھنا چاہ رہا تھا اگر وہ رات کو آتا ہی نا۔ کسی کام سے رک جاتا۔ آوٹ آف سٹیشن چلا جاتا تو پھر ماہ رو کیا کرتی۔ کیا رات بھر بھوکا رہتی؟ یقیناً "نہیں۔

"پھر میں انتظار کرتی.... لیکن کھانا نہ کھاتی۔" ماہ رو نے اسے تعجب میں ڈال دیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کی لیے بھونچکا رہ گیا تھا۔ پھر اس نے کندھے اچکا دیے۔

"یہ تو احمقانہ سی بات ہے۔" اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

"تم نے محبت کو کب سمجھ دار دیکھا ہے؟" ماہ رو کا لہجہ کٹیلا تھا۔ وہ جیسے اندر ہی اندر متاثر ہوا تھا۔ یعنی محترمہ کو بولنا آتا تھا اور اچھا ہی بولنا آتا تھا۔

"محبت بیچ میں کہاں سے آ گئی؟" عون نے برا مانتے ہوئے کہا تھا۔ جیسے محبت کا لفظ سن کر بہت برا لگا تھا۔ دل چاہا محبت کو کہیں دور ہی پھینک آئے۔ اسے وہیں خوار کرتی تھی۔

"محبت بیچ میں نہ ہوتی تو میں بھی یہاں نہ ہوتی۔" ماہ رو کا دل بجھ گیا۔ افسردہ ہو گیا۔ وہ لمحہ بھر میں رنجیدہ ہو گئی تھی۔ عون اس کے بدلتے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ وہ اس کی شکستگی کو بھی سمجھ گیا تھا۔ وہ یہاں کیوں تھی؟ عون کھوج گیا۔ لیکن پھر بھی ایک پھانس تو تھی ہی۔

"کیا تم مجھ سے واقعی ہی محبت کرتی ہو؟" اس کا انداز بڑا ہی عجیب تھا۔ بالکل نہ سمجھ میں آنے والا۔

"کیسے یقین دلاؤں؟ شاید کوئی پیمانہ ہوتا اور ناپ لیا جاتا۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی تھی۔

"اگر محبت ہے تو اسے ثابت کر کے دکھاؤ؟" اس کا انداز ایک مرتبہ پھر عجیب تھا۔ چیلنجنگ سا۔ تحریک دلاتا۔ اکساتا۔ ماہ رو سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اگر محبت کی جائے یا محبت ہو جائے تو کیا ثبوت مانگتی ہے۔ کیا ہر محبوب ثبوت چاہتا ہے؟ ثبوت کیسے لایا جاتا ہے؟ ثبوت کس طرح سے لایا جاتا ہے؟ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"تم ایک مرتبہ پہلے بھی یہی سوال کر چکے ہو۔" ماہ رو اسے پلازہ میں ہونے والی ملاقات یاد دلا رہی تھی۔ جو یقیناً "خوش گوار نہیں تھی۔

"تب تم نے مجھے مطمئن کیا تھا؟" اس کا انداز طنز سے اچانک پاک ہو گیا تھا۔ یوں کہ بالکل سادہ لہجے میں بات کرتا وہ ماہ رو کو بہت ہی عجیب لگا تھا۔

"نہیں۔" اس کی آواز مدھم ہو گئی تھی۔

"اور اب؟" عون کی آنکھوں میں لکیر سی ابھری تھی جو لمحہ بھر میں ہی معدوم ہو گئی تھی۔ اس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔ کچھ جانچتا ہوا تھا۔

"کیسا ثبوت چاہتے ہو؟" ماہ رو نے بہت دیر کی خاموشی کے بعد بڑے گہرے عمیق لہجے میں پوچھا تھا۔ ایک اذیت ناک تکلیف سے گزرتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس سے بڑھ کر تکلیف وہ مقام کون سا تھا جسے آپ چاہتے ہوں۔ جس کے لیے ہر کشٹ اٹھا کر آئے ہوں۔ جس کے لیے آگ کے دریا پار کر کے آئے ہوں۔ وہ آپ کی محبت پہ یقین ہی نہ کرتا ہو جو ثبوت مانگ کر محبت کی ماری سچائی کو آلودہ کر دے۔ جو محبت کو بری طرح سے شرمندہ کر دے۔

"جو مجھے سیٹسفائڈ (مطمئن) کر سکے۔ میں یقین کر سکوں کہ واقعی تمہیں مجھ سے محبت تھی کوئی سازش نہیں۔" عون کی سوئی وہیں پہ اٹکی۔ وہاں سے نہ ہٹتی تھی نہ آگے بڑھتی تھی۔ ماہ رو نے گہرا سانس خارج کیا۔

"میری اس گھر میں موجودگی تمہیں کیا لگتی ہے؟ کوئی سازش ہوتی تو اب تک کھل جاتی۔ میں تمہارے لیے یہاں ہوں۔ تمہارے لیے خود کو بدل

رہی ہوں۔ میں وہ نہیں تھی جواب ہو چکی ہوں۔ اور میں نے ہر تبدیلی کو بخوشی قبول کیا ہے۔ میں نے زبردستی خود کو اس ماحول میں نہیں ڈھالا۔ کیا پھر بھی ثبوت ہی چاہیے؟" اس کا انداز لمحہ بھر میں جارحانہ ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پہ دبی دبی سرخی اتر رہی تھی۔ دبا دبا غصہ چھا رہا تھا۔

عون اس کی طرف آنکھیں سکیڑ کر دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ پھر گہرا سانس کھینچ کر بولا۔

"تمہارا میری زندگی میں آنا ان ایکسپیکٹڈ (غیر متوقع) تھا۔ کوئی اس طرح بھی آتا ہے؟" اس نے جھرجھری سی لے کر تھوڑا عرصہ پہلے والی کیفیت سے خود کو نکالا تھا۔ جیسے ابھی بھی اس وقت کا خیال بڑا تکلیف دہ اور کسی حد تک متعجب کرنے والا تھا۔

"عون عباس.....!" وہ دھیمے انداز میں مسکرائی تھی۔ خاصی زچ کر دینے والی مسکراہٹ تھی۔ جیسے جلتی پہ تیل ڈال دیا ہو۔ "جو میرے جیسے کردار ہوتے ہیں۔ وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" اس نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا۔

"یعنی سر پھرے؟" عون نے تائید چاہی تھی۔ ماہ رو کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ چمک گئی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے روٹی کے ٹکڑے کو دیکھ کر بولی۔

"کھاؤ نا۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہ خود بڑی بے تکلفی کے ساتھ عون کی پلیٹ سے سالن لیتی مزے سے آدھی روٹی باتوں باتوں میں کھا چکی تھی۔ عون کا نوالہ وہیں کا وہیں تھا۔ اور وہ بڑی حیرت سے ماہ رو کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ڈونگے کی طرف دیکھا تھا۔ وہاں سالن پیندے سے چپکا بس برائے نام تھا۔ عون نے بھوک سے تنگ آکر کھانا شروع کر دیا۔ ورنہ وہ تو باقی سالن منٹوں میں چٹ کر دیتی۔

جس طرح اس نے نہایت دیدہ دلیری سے روٹی شیئر کر لی تھی۔ سالن بھی شیئر کر لیا تھا۔ پھر پانی کو کیسے بخشتی؟ اس کا اس کی طرف بڑھتا ہاتھ دیکھ کر عون عجلت میں بول پڑا۔

"ہمارے گھر میں ایک ہی گلاس ہے کیا؟" اس کا پیاس سے حلق سوکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے گلاس نہیں اٹھایا۔

"نہیں تو' اور بھی اسٹینڈ پہ لگے ہیں۔" اس نے آدھا گلاس خالی کر کے بچے ہوئے پانی میں اور پانی ڈال دیا تھا۔ وہ اس کی ساری کارروائیاں دیکھتا رہا تھا۔ پھر خاصی ناگواری سے کہہ اٹھا۔

"میں نے کبھی کسی کا جھوٹا پانی نہیں پیا۔" وہ شدید جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔ ماہ رو کو اندر ہی اندر سے زچ کر کے مزا آیا تھا۔ وہ بڑی معصومیت سے چہک کر بولی تھی۔

"لیکن میرا تو پینا پڑے گا۔ کیونکہ یہ ابلے ہوئے پانی کی آخری بوتل تھی۔ پہلے سے آدھی' جس میں سے ڈیڑھ گلاس میں نے پانی پی لیا ہے۔ اب یہ آخری گلاس پانی بچا ہے۔ چاہو تو پی لو۔ یا پھر صبح تک انتظار کرو۔" ماہ رو آنکھوں میں ڈھیر ساری شرارتی چمک لے کر عون کی طرف دیکھتی بڑی معصوم بن رہی تھی۔ اتنی معصوم کے عون کو اس کی معصومیت پہ تاؤ آگیا۔ وہ آفس سے آکر بھی ایک گھونٹ پانی نہیں پی سکا تھا۔ اور اب حلق میں پیاس کی شدت سے کانٹے اگ رہے تھے۔ عون نے ایک سلگتی نظر مسکراتی ہوئی ماہ رو پہ ڈالی تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھا لیا۔ جب وہ پانی پی چکا' گلاس خالی ہو چکا تب ماہ رو نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ثنا بھابھی نے بتایا تھا۔ ایک پلیٹ میں کھانا کھانے سے اور ایک دوسرے کا جھوٹا پانی پینے سے محبت بڑھتی ہے۔ اس لیے سوچا۔ یہ ٹرک آزمالوں۔" اب وہ بڑی معصومیت سے فریج کھول کر پانی کی دوسری بوتل نکال کر ٹیبل پہ رکھ رہی تھی یوں کہ عون کا دماغ جیسے تپ اٹھا تھا۔ وہ جھلا کر اسٹول کھینچتا اٹھ کھڑا۔

"تم بہت چالاک ہو۔" ماہ رو کی کھلکھلاتی ہنسی کی آواز اسے پیر پٹخنے پہ مجبور کر چکی تھی۔ وہ کچن سے واک آؤٹ کر گیا۔



"تم چائے نہیں لوگے؟" ایک گنگناتی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے جلدی سے تکیہ اٹھا کر کانوں پر رکھ لیا۔ تازہ تازہ ڈاج کھا کے آیا تھا۔ ابھی غصہ برقرار تھا۔ کیا خبر چائے بھی جھوٹی پلا دے۔ محبت بڑھانے کے چکر میں۔ کوئی اس سے پوچھتا تو سہی۔ محبت ہوتی تو بڑھتی نا۔ اگر ہوگی نہیں تو بڑھے گی کیسے۔ اور جھوٹا کھانا پینے سے کیسے بڑھ جاتی ہے؟ حد ہو گئی؟ یہ ثنا بھابھی کے فرمودات لے ڈوبیں ٹوٹکے اسے۔ آج کل لگتا تھا ثنا بھابھی اس کی کلاس لے رہی تھی۔ اور اس کے مشوروں پہ عمل کر رہی تھی۔ جیسے صنم خود ڈوبے تھے اب اسے بھی ڈبونا چاہتے تھے۔ یہ تو اس کا بے چارا بھائی تھا جس نے ثنا بھابھی سے گزارا کر لیا۔ ورنہ ایسی باتونی عورت۔ اتنی لمبی زبان.... بس چلتا تو کاٹ ہی ڈالتا... اور اب اس ماہ رو کو پٹیاں پڑھائی جا رہی تھیں۔ تبھی اس کی زبان کو بھی کاٹ مل گئی۔ خیر زبان تو اس کی آل ریڈی (پہلے ہی سے) بہت تیز دھار جیسی تھی۔ ثنا بے چاری کا تو نام ایسے ہی بدنام ہو گیا۔

اور کچھ دیر پہلے ثنا کی ٹپ اس پہ آزما کر وہ کس قدر خوشی تھی۔ آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ چہرہ ٹیوب لائٹ سے زیادہ روشن تھا۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔ جیسے عون کو اپنا جھوٹا پانی پلا کر دنیا فتح کر لی ہو۔ ماؤنٹ ایوریسٹ سر کر لیا ہو۔ تھرہند میں ڈبکی لگا کر زندہ سلامت واپس آ گئی ہو۔ اور اب عون کے سر پہ کھڑی مسلسل بزر بجا رہی تھی۔

"بولو نا... کیا چائے لاؤں؟" اس نے تکیہ اٹھا کر عون کے کان پاس چلانا چاہا تھا۔ وہ دوسرا تکیہ ہاتھ مارتا تلاش کرتا رہ گیا تھا۔

"پھر جھوٹی چائے؟" وہ بڑبڑایا۔

"پرامس (وعدہ) جھوٹی نہیں لاؤں گی اب۔" ماہ رو نے یقین دلانا چاہا تھا۔

"میں کیسے یقین کر لوں؟" عون نے تکیے میں منہ گھسیڑتے ہوئے کہا تھا۔ ماہ رو سوچ میں پڑ گئی۔

"تم میرے ساتھ کچن میں آ جاؤ۔" کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے مشورہ دیا تھا۔ عون جھٹ سے بول پڑا

"مجھے معاف کرو، میں نے جوشاندہ نہیں پینا..." اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"لیکن میں اچھی چائے بنانا سیکھ چکی ہوں۔ اور سویٹ ڈش بھی۔ کسی دن تمہیں بھی ٹرائی کرواؤں گی۔" ماہ رو نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا تب عون جھنجھنا گیا۔

"تم اپنا بزر بند کرو۔ مجھے چائے نہیں پینا۔" جانے کون سی جھلاہٹ تھی جسے خواہ مخواہ نکال رہا تھا۔

"ویل... نہیں تو نہ سہی باہر ایسی رومانٹک بارش ہو رہی ہے۔ اتنا قیامت موسم ہے۔ نہ پیو چائے۔ ایسے موسم میں تو چائے دیوانہ کرتی ہے۔" ماہ رو نے بارش کی گھنٹیوں پہ کان لگا کر اسے جتلا جتلا کر کہا تھا۔ عون نے تکیے کے نیچے سے منہ نکال کر اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ وہ سبز درپچوں کے پار ہونے والے شور کو سن کر خوش ہو رہی تھی۔

"میں حواسوں میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ دیوانہ نہیں ہونا چاہتا۔" عون نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بارش کی آواز سے کان ہٹا چکی تھی۔

"بہت ہی بورنگ آدمی ہے۔" وہ اس کی ہمیشہ والی بے زاری، جھلاہٹ، ناگواری پہ کمنٹ دیتی خود دوبارہ کچن میں چلی گئی تھی۔ پھر چائے بناتے ہوئے اسے کریم یاد آ گیا۔ رات کے اڑھائی بجے بھی اسے چائے کی طلب ہوتی تو محض ایک بٹن دبانے کی دیر ہوتی تھی۔ کریم چائے بنا کر منٹوں میں لے آتا تھا۔

اور اس وقت ماہ رو رات کے پونے ایک بجے خود اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ جوشاندہ سے کچھ بہتر، بہرحال چائے تو تھی ہی... اور عون کہتا تھا اپنی محبت کا ثبوت دو۔ کیا یہ کم ثبوت تھا؟ ماہ رو ایک چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے کچن میں کھڑی اپنے ہاتھوں سے چائے بنا رہی تھی۔ اور عون کو یقین نہیں آتا تھا۔ اور پتا نہیں کیوں یقین نہیں آتا تھا؟

اس کے دل میں آزردگی کی کن من ہونے لگی، باہر موسم بھیگ رہا تھا اور اندر ماہ رو کا من بھیگ رہا تھا۔

بارشیں اچھی ہوتی ہیں لیکن افسردہ کرتی ہیں۔ یادوں کے بھیگتے نخلستان میں لے جاتی ہیں۔

اور ابھی اس نے کڑوی کسیلی چائے کا ایک سپ لیا ہی تھا جب اچانک موسم بپھر گیا۔ ہلکی کن من طوفانی بارش میں بدل گئی تھی۔ ایک دم درختوں کی شائیں شائیں حواسوں پہ چھانے لگی۔ آندھی کے تیز جھکڑوں کے ساتھ دھڑ دھڑ اولے بھی گرنے لگے تو ماہ رو کی چیخ نکل گئی تھی۔ رومانٹک بارش تو طوفانی بارش میں اچانک بدل چکی تھی۔ اوپر سے گاہے بگاہے بجلی کڑکتی اور بند روشن دانوں کھڑکیوں کی درزوں سے لپکتی ہوئی اندر آتی۔ خوفزدہ کرتی۔ چیخنے پہ مجبور کردیتی تھی۔

ماہ رو نے چائے کا کپ وہیں ٹیبل پہ پٹخا اور اندر بھاگ آئی۔ رومانٹک موسم میں چائے پینے کا شوق دھرے کا دھرا رہ گیا تھا۔ خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔ اس نے ٹھک سے دروازہ بند کیا اور جلدی سے بیڈ پہ آگئی۔ عون نے ٹھک کی آواز پہ ذرا گردن اونچی کرکے دیکھا تھا پھر تکیے میں منہ گھسا لیا۔ کمفرٹر میں گھسنے کے بعد اس نے آنکھیں موندلی تھیں لیکن باہر ہوتی گرج چمک سے خوفزدہ ہو کر پھر سے کھول لیں۔ اچھی بھلی کن من چل رہی تھی۔ سج سج اترتی بوندیں 'بارش کا ہلکا شور اسے بڑا فیسی نیٹ (گرویدہ) کرتا تھا۔ اوپر سے ٹھنڈی ٹھنڈی پون بڑی رومانٹک لگتی۔

بارشیں خاصی رومانٹک ہوتی ہیں لیکن طوفان؟

"اللہ کی پناہ۔" بجلی کے کڑکتے ہی اس نے دل ہی دل میں کہا۔ خوف کے مارے اچھی بھلی خنکی میں پسینہ آرہا تھا۔ وہاں ڈیڈی کے گھر تو کبھی آندھی 'طوفان' بارش کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ چاہے جتنے مرضی طوفان آتے۔ گرج چمک ہوتی۔ پھر بھی کسی کو خبر نہ ہوتی۔ ساؤنڈ پروف گھر کی وجہ سے کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ صبح اٹھ کر ہی خبر ہوتی کہ رات بڑا طوفان آیا تھا۔ یا نیوز چینلز بتاتے تھے کہ طوفان نے کس کس جگہ تباہی مچائی تھی۔

اور یہاں ...؟ تو ایسے لگتا تھا جیسے طوفان کھڑکیوں اور روشن دانوں کے شیشے توڑ کر اندر گھس آئے گا۔ اس نے مارے خوف کے کھڑکیوں اور روشن دانوں کی چٹخنیوں کو لرزتے کانپتے چرچراتے دیکھا تھا۔ معاً عون کی آواز تکیے کے پیچھے سے آئی۔

"لائٹ تمہارے باپ کے نوکر آکے بند کریں گے۔" جانے اسے کس بات کی جھنجلاہٹ تھی۔ خوامخواہ چڑتا لڑتا اور جھلاتا تھا۔

ماہ رو نے گردن گھما کر عون کی طرف دیکھا۔ جیسے تشکر بھرا سانس خارج کیا ہو۔

"تھینک گاڈ! یہ جاگ رہا ہے۔" وہ اندر ہی اندر کچھ مطمئن ہوئی تھی۔ ورنہ بپھرتے طوفان 'کڑکتی بارش میں تنہا جاگ کر بارش اور طوفان کی دہلانے والی شائیں شائیں کو سننا بڑا بھیانک تھا۔

"نہیں تم کرو گے۔" اس نے آنکھیں میچے میچے جواب دیا تھا۔ آواز خاصی کانپتی سی تھی۔

"کیوں؟ تمہارے پیروں میں مہندی لگی ہے؟" عون نے چڑتے ہوئے بھنا کر کہا۔

"نہیں میں لیٹ چکی ہوں۔" اس نے عذر تراشا۔

"لیٹ چکی ہو۔ مرتو نہیں چکی۔" وہ غصے میں کمفرٹر پھینک کر اٹھا۔ ماہ رو بھی جلدی سے حواس باختہ بولتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"لائٹ بند کی تو شاید مرہی جاؤں۔" اس کا لہجہ سخت روہانسا تھا۔ وہ مارے خوف کے سپید پڑتی جارہی تھی۔ عون ذرا کی ذرا ٹھٹکا۔ اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ شاید سمجھ گیا تھا کہ وہ ڈر رہی ہے۔

"اچھا..." اس کا انداز طنزیہ ہو گیا۔ "اب کرو نا... رومانٹک بارش کو انجوائے۔ بڑا رومانس چڑھ رہا تھا۔ تم پر اب آنکھیں میچ کر کمفرٹر میں گھسی ہو۔ نکلو باہر مل کر انجوائے کرتے ہیں طوفانی بارش کو۔ آندھی کے جھکڑوں کو کڑکتی بجلی کو۔" وہ منٹوں میں شروع ہو چکا تھا۔

"تمہیں تو موقع چاہیے مجھ پہ طنز کرنے کا۔" ماہ رو روہانسی ہو گئی تھی۔ عون جان بوجھ کر لائٹ آف کر

کے دوبارہ اپنی جگہ پر جم کے لیٹ گیا تھا۔ جیسے ہی بتی بجھی تھی کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔ اب کڑکتی بجلی کے زیادہ اثرات دکھائی دیتے تھے جیسے ہی باہر بجلی کڑکتی روشن دان اور کھڑکی سے کوند کر کمرے میں گھس آتی تب ماہ رو کی گھٹی گھٹی چیخ منہ میں ہی دب کر رہ جاتی تھی اور عون سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھ کر اس کے خوف کو انجوائے کرتا ہوا بول رہا تھا۔

"مجھے تو روشنی میں نیند نہیں آتی۔"

"اور مجھے اندھیرے میں نہیں آتی.... "ماہ رو نے بھنچی بھنچی آواز میں بتایا "اوپر سے باہر کا بھیانک شور ہے۔"

"لیکن میں تو بہت انجوائے کر رہا ہوں۔ تم بھی کرو نا۔" شاید اس کا باتیں کرنے کو دل کر رہا تھا یا پھر کوئی خواہش سی جاگی تھی یا ماحول کا فسوں، تنہائی یا اپنے اور ماہ رو کے درمیان رشتے کا خوب صورت احساس۔ آخر ایک انسان ہی تھا۔ بشری تقاضوں سے مبرا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اور بندہ ہر ایک سے تو جھگڑ سکتا تھا۔ ہر ایک سے جنگ کر سکتا تھا۔ لیکن فطرت سے لڑنا آسان نہیں تھا۔ عموماً" انسان فطرت سے ہار جاتا تھا۔ اور فطرت کا جیتا جاگتا ایک احساس اس کے بائیں پہلو میں تھا اور دھڑک دھڑک کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ کس طرح شوریدہ جذبات پہ بندھ باندھ لیتا۔ مچلتے احساسات کو روک پاتا۔ پاگل ہوتی دھڑکنوں کو قابو کر سکتا۔ دل کی بدلتی حالت کو معمول پہ لا پاتا۔ یہ کیسے ممکن تھا؟

اس نے کروٹ بدل کر ماہ رو کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے بہت قریب تھی۔ صرف چند سانسوں کے فاصلے پہ.... پھر بھی اس کے سینے کا زیر و بم، سانسوں کا شور وہ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ چت لیٹی تھی اور چھت کو گھور رہی تھی۔ یقیناً" وہ خوف زدہ تھی۔ عون کا لہجہ اور انداز بدل گیا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے بھول گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کتنے فاصلے تھے۔ کتنی بڑی خلیج تھی۔ اور عون کو یہ بھی بھول گیا تھا۔ اسے ماہ رو سے انتقام لینا ہے۔ فریحہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لینا ہے۔ اور اس پہ سوکن بھی لانی ہے۔ اور بھی جانے کیا کیا اس کے وہ سارے خوفناک ارادے دھڑ دھڑ کر کے خود بخود گر رہے تھے۔

اس نے کسی الہامی کیفیت میں گم ہو کر ماہ رو کے اوپر ہاتھ رکھا۔ تاکہ اسے متوجہ کر سکے۔ وہ جو چھت کو گھور گھور کے دیکھ رہی تھی عون کے لمس کو پا کر لمحہ بھر کے لیے دنگ رہ گئی۔ اس کا اوپر والا سانس اوپر اور نیچے والا سانس نیچے ہی دبا رہ گیا تھا۔

دل کی دھڑکنوں میں ایسا طلاطم برپا ہوا کہ اندر کا شور باہر کے شور پہ سبقت لے گیا تھا۔ پھر اسے عون کی دھیمی بوجھل آواز سنائی دی تھی۔ اس کا رواں رواں کان بن گیا تھا۔

"ڈر رہی ہو؟" اس کا انداز بدل گیا۔ لہجہ بدل گیا۔ وہ بہت ملائمت سے پوچھ رہا تھا۔ ماہ رو نے اس کی گرم سانسیں اپنے چہرے پہ محسوس کی تھیں۔ یا پھر اس کے گال ہی گرم دھواں نکال رہے تھے۔ وہ سن سی ہو گئی۔

"ہاں۔" ماہ رو کے ہونٹ بے آواز پھڑپھڑائے تھے۔

"کس سے؟" وہ دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ ماہ رو کا خوف بڑھ گیا۔ لیکن یہ خوف نہیں تھا۔ یہ کچھ اور ہی تھا۔ کوئی اور نوکیلا سا احساس چبھن دیتا۔ چونکاتا ہوا۔ تو کیا اپنے لیے؟ محض اپنے من کی خواہش پر؟ اپنی طلب کے لیے؟ جب چاہا پہلو میں بٹھایا جب چاہا دھتکار دیا؟

ماہ رو کی آنکھوں میں شب زفاف رڑکنے لگی تھی۔ وہ ذلت، وہ تکلیف، وہ خوابوں کا ٹوٹ جانا۔ عون کا دھتکار دینا۔ وہ تھپڑ جو ماہ رو کے گالوں پہ ابھی تک ایک یاد کی طرح نقش تھے۔

بھولنے کو تو ماہ رو ہمیشہ کے لیے بھول جاتی۔ کبھی اس وقت کو، اس اذیت اور درد کو یاد ہی نہ کرتی۔ اگر عون عباس کی طرف سے ایک لفظ معذرت کا سننے کو مل جاتا۔ صرف ایک حرف ملال کا اور بس.... وہ تو ماہ رو سرفراز کو بن مول کے بہت پہلے ہی خرید چکا تھا۔ وہ اپنے ڈھولن یار کی داسی تھی۔ لیکن وہ اپنے محبوب کی

صرف محبت ‘ چاہ ‘ الفت اور نظر التفات کی ہی پیاسی نہیں تھی۔

اسے اپنی کھوئی ہوئی عزت بھی چاہیے تھی۔ وقار بھی چاہیے تھا اور اپنی انا کی بھی ضرورت تھی۔ عزت نفس کی بھی ضرورت تھی اور عون جو اس وقت شجر سایہ دار کی طرح اس پہ اپنی چھاؤں کر رہا تھا۔ ماہ رو یہی تو چاہتی تھی۔ اس کا یہی تو اولین خواب تھا۔ تمنا تھی۔ خواہش تھی۔ لیکن اس طرح نہیں۔

”بولو! بولو نا ڈر لگ رہا ہے۔ کس سے؟“ عون کی مخمور آواز اسے یادوں کے تلخ سمندر سے کھینچ کر باہر لے آئی تھی۔ ماہ رو نے ایک گھٹا گھٹا سانس سینے کی قید سے باہر نکالا۔ پھر اس کے منہ سے بے ارادہ ہی نکل گیا۔

”تم سے....“ ماہ رو کے لفظوں میں جانے کون سا اثر تھا جو عون جھٹکا کھا کر حواسوں میں آگیا۔

”کیا؟“ عون کا انداز بدل گیا تھا۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا سیدھا ہوا۔ پھر اس نے تکیے پہ اپنا سر گرا لیا تھا۔ اس کے دماغ میں سے دھواں نکلنے لگا۔

”او مائی گاڈ! آج پھر عون کو رہ رہ کر خود پہ غصہ آنے لگا۔ ماہ رو کیا سمجھتی ہوگی۔ دعوے آسمانوں جتنے کرتا ہوں اور.... اور چند کمزور لمحوں میں سارے اختیار خود سے کھو دیتا ہوں۔ میں اس قدر کمزور ہوں؟ لمحوں کے فسوں کا شکار ہو جاتا ہوں یا پھر اس ماہ رو سرفراز میں ہی کوئی ایسی کشش ہے جو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

ایک مرتبہ پھر شرمندگی کا حصار کھینچ رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر خود کو ملامت کر رہا تھا۔ معاً اسی لمحے باہر بہت زور کی بجلی کڑکی تھی یوں لگا۔ روشن دانوں کو پھاڑتی ہوئی اندر آن گھسے گی۔ ماہ رو کی بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے خوف کی انتہا پر بلا ارادہ ہی عون کا کندھا دبوچ لیا تھا۔ تب عون کی سنجیدہ سی سرد آواز اچانک سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

”مجھے نیند آرہی ہے۔ سونے دو‘ آدھی چیخیں کل تک اٹھا رکھو۔“ وہ برفیلے لہجے میں بولتا کروٹ بدل گیا تھا یوں کہ ماہ رو آنسو بھری آنکھوں سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی تھی۔



اور عون کے ازلی دھوپ چھاؤں جیسے رویے کے ساتھ بڑی سبک خرامی سے وقت گزر رہا تھا۔ ماہ رو اب عون کے رویوں پہ جلتی ‘ کڑھتی اور سسکتی نہیں تھی۔ عون کی روٹین بھی وہی تھی۔ اب بھی فریحہ ان کی زندگیوں میں بلاوجہ ہی مداخلت کرتی تھی اور عون سے اپنی اجارہ داری ختم کرنا نہیں چاہتی تھی۔

ادھر عون بھی بھاگ بھاگ کر فریحہ فریحہ ‘ کرتا ہر کام میں اس سے مشورہ لیتا تھا۔ فریحہ بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

اس دن خاندان میں کوئی فوتگی ہو گئی تھی‘ امی ابو‘ ثنا تینوں چلے گئے تھے۔ مریم میکے گئی ہوئی تھی۔ کائنات‘ یاسر‘ عامر کالج تھے۔ باقی آدھے پلازہ اور عون اپنے دفتر.... جس سے گوڈے گوڈے تنگ آچکا تھا۔ اور صبح صبح ہزار باتیں کرتا‘ باس کو گالیاں دیتا روانہ ہوتا تھا۔

آج صبح بھی اسے اپنے باس پہ غصہ چڑھ رہا تھا۔

”الو کی دم ہے.... بڑا کمینہ ہے۔ تین تین فائلیں اکٹھی دیتا ہے۔ اتنا کام جیسے الو کے پٹھے نے دام دے کر خرید لیا ہو۔“ وہ اپنے باس کو کوستا تیار ہوتا زہر نکال رہا تھا۔

”ورکرز سے کام لے لے کر انہیں سوکھا تنکا بنا دیا۔ تنخواہ دیتے جان نکلتی ہے۔ خود الو‘ موٹا‘ سانڈ.... کھا کھا کر پھٹنے کے قریب ہے۔“ وہ ناشتا کرتے ہوئے بھی بھڑاس نکالتا جا رہا تھا۔

میری کیس فائل سانڈ کے پاس پھنسی ہوئی ہے.... جیسے ہی چکما دے کر پروموشن فائل نکلوالوں گا‘ پھر اس سانڈ کو منہ بھی نہیں لگاتا۔ پروموشن ہوتے ہی میرا ڈپارٹمنٹ بدل جائے گا۔“ عون زیر لب بڑبڑاتا اپنے باس کی غائبانہ درگت بنا رہا تھا۔ تب ہی اورنج جوس پیتی ماہ رو نے لمبی لمبی جمائیاں روکتے ہوئے کہا۔ ”ایک بات کہوں‘ اگر تمہارا دماغ مزید نہ تپے تو؟“ معاً اسے

ڈیڈی کی خواہش اور آفر کا خیال آگیا تھا۔ موقع مناسب بھی تھا۔ اور تمہید کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ سوماہ رو نے بات کرنے کی ٹھانی۔

"ڈیڈی کی خواہش تھی۔ تم ان کے بزنس میں آجاؤ۔ اگر شیئرز رکھنا چاہتے ہو تب بھی... ورنہ پراپرٹی میں جو میرا حصہ ہے۔ اسے ڈیڈی الگ کردیں گے۔ نئی فرم بھی لانچ کردیں گے۔ اور ہمیشہ ہیلپ فل رہیں گے اور تمہارے لیے آبجیکشن ایبل (اعتراض کے قابل) بھی کچھ نہیں... اگر تم چاہو تو۔" اس نے جوس پی کر ٹشو سے ہونٹ صاف کیے تھے۔ عون سے بحث کے لیے انرجی کی بھی ضرورت ہوتی تھی۔

"اگر میں نہ چاہوں تو..." عون نے تحمل سے ساری بات تو سن لی تھی۔ لیکن تیوری کے بل جوں کے توں تھے۔ جیسے اس کی بات پسند نہ آئی ہو۔

"تو پھر اپنے سڑے ہوئے سانڈ باس کی گھرکیاں سنتے رہو۔" ماہ رو نے طنز کیا۔ عون نے اسے سخت قسم کی گھوری سے نوازا تھا۔

"یعنی میری ہی بلی، مجھے ہی میاؤں۔" وہ تپ کر رہ گیا تھا اور سوچ رہا تھا آئندہ باس کی بکواس کے معاملے میں محتاط رہے گا۔ اس کے سامنے پھلجڑیاں نہیں چھوڑے گا۔

اور ابھی ماہ رو شاید اسے قائل کرنے کے لیے کچھ دلائل بھی دیتی لیکن تب ہی فریحہ عون کی من پسند چائے بنا کر لے آئی تھی۔ کچھ بھی ہو جاتا۔ عون صبح سویرے فریحہ کی چائے کے بغیر نہیں جاتا تھا بلکہ قاسم عاصم، عاشر وغیرہ تک بقول ان سب کے فریحہ کی چائے کا دم انہیں دن بھر تازہ دم رکھتا ہے۔

اور فریحہ اسی بات پہ گردن تان کر چلتی تھی... کیونکہ جو خوبیاں اس میں تھیں۔ وہ کسی اور میں نہیں تھیں۔ اور جیسے ہی فریحہ نے عون کو کپ تھمایا... عون نے من و عن ڈیڈی کا پیغام اور خواہش فریحہ تک پہنچادی۔ پہلے تو اس نے کمال اداکاری سے کہا۔

"میں اس معاملے میں نہیں بولتی۔ تم لوگوں کا آپس میں طے کرنے والا معاملہ ہے۔" لیکن جب عون کا اصرار بڑھا تو فریحہ نے ماہ رو کو اک خاص تیز نظر سے دیکھتے ہوئے اپنی رائے سے نوازا تھا۔

"ہمارے تو پرکھوں میں کبھی ایسے کام نہیں ہوئے۔ جو آج کل ہو رہے ہیں۔ ہوتے جارہے ہیں۔ تم اپنا بزنس لات مار چکے ہو۔ کسی اور کے بزنس میں کیوں جاؤ گے؟ پھر سسر کے بزنس میں سارا زمانہ باتیں کرے گا۔ عون کا بزنس میں شروع سے انٹرسٹ نہیں۔" فریحہ نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ ماہ رو کو بے طرح سے غصہ آگیا۔

"عون عباس کے اور ہمارے بزنس میں کافی ڈیفرنس ہے۔" اسے خود کو کول رکھنے کے لیے ایک اور گلاس جوس پینا پڑا تھا۔

"اچھا... تم کیا جتانا چاہتی ہو؟ ہمارا اور تمہارا اسٹیٹس میچ نہیں کرتا۔" فریحہ دھیمے پر اثر لہجے میں رنجیدگی ظاہر کرتی بولی تھی۔ عون کے سامنے وہ جان بوجھ کر بات کو غلط رخ دے رہی تھی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" ماہ رو جھنجلائی۔ اور یہ پہلی مرتبہ جھنجلانا نہیں تھا۔ فریحہ سے جب بھی تکرار ہوتی تھی وہ اسی طرح باتوں کے میٹھے تیر چلا کر اگلے بندے کو جلانے کے بعد لطف اندوز ہوتی تھی۔

"جو بھی مطلب تھا۔ بات تو یہی نکلتی ہے۔ تمہارے باپ کی فیکٹریاں ہیں اور ہماری دکانیں۔ تمہارا باپ بھی بزنس کرتا ہے۔ ہم بھی بزنس کرتے ہیں... فرق تو ہوا نا... دکانوں اور فیکٹریوں میں۔" فریحہ نے ایک تیز لپک کو آنکھوں میں بھر کے ماہ رو کو لاجواب کردیا تھا۔ اس سے واقعی جواب نہیں بن پڑا۔

"اور تم اپنی فیکٹریوں کا رعب اپنے پاس ہی رکھو۔ عون جاب میں انٹرسٹڈ تھا۔ جاب ہی کرے گا۔ نہ اسے دکان چلانے کا شوق ہے نہ فیکٹری۔" فریحہ نے دوٹوک لہجے میں بات مکمل کردی تھی۔ یعنی ماہ رو کا منہ بند کردیا تھا۔ اور عون بالکل خاموش تھا۔ کیا اسے ماہ رو کی حمایت میں بولنا نہیں چاہیے تھا۔" اور وہ بولا۔ بھی تو کیا؟ اس سے بہتر تھا نہ ہی بولتا۔ یعنی اس نے فریحہ کو

روکا نہیں۔ بلکہ اس کی بات سے اگری کرلیا۔
"فریحہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم اپنے ڈیڈی سے معذرت کرلینا۔ بزنس وغیرہ میرے بس کا روگ نہیں۔" ماحول پہ چھائی کثافت کو کم کرتے ہوئے نسبتاً" اسے اپنا رویہ بدلنا پڑا تھا۔ وہ ماہ رو کا اترا چہرہ دیکھ رہا تھا جو اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن وہ کیا کرتا؟ ماہ رو کی آفر ایکسیپٹ کرنے کا اسے تصور بھی محال تھا۔ وہ بزنس سے خار کھاتا تھا۔ نری سردردی اور ٹینشن۔۔۔ اسے آٹھ سے آٹھ تک کی جاب پسند تھی۔
اگر وہ خود انکار کرتا تو ماہ رو کو اتنا برا نہ لگتا۔ لیکن بیچ میں فریحہ نے آکر مداخلت کی تھی۔ اس وجہ سے ماہ رو نے اپنی بہت بے عزتی محسوس کی تھی۔ کیونکہ جو بات عون کو کرنی چاہیے تھی وہ فریحہ کررہی تھی۔
وہ جوس کا گلاس ٹیبل پہ پٹخ کر اندر جارہی تھی۔ اور فریحہ فاتحانہ نظروں سے ماہ رو کو میدان چھوڑ کر جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں سے ہٹ کر عون کے تاثرات عجیب تھے۔ جیسے اسے ماہ رو کا منظر سے ہٹنا اچھا نہ لگا ہو۔



باہر خاصی پیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔
برسات کے دن جاتے ہی موسم پھر سے گرم اور خشک ہوچکا تھا۔ درختوں کے پتے تک تیز دھوپ میں کملا جاتے تھے' پتیاں سوکھ رہی تھیں۔ ماہ رو اس وقت برآمدے میں بیٹھی تھی اور اس کے قریب گیندے کی مسلی پتیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اگر اس وقت فریحہ کی امی آجاتیں تو اس کی درگت بنادیتیں۔ کیونکہ یہ پھول انہوں نے لگا رکھے تھے۔ ماہ رو بے خیالی میں صبح والا سارا غصہ ان معصوم پھولوں پہ نکال رہی تھی۔ پھر تنگ آکر اٹھی اور لاؤنج میں آگئی۔ سارے لاؤنج میں دھوپ گھوم رہی تھی۔ عون کی امی ہوتیں تو فوراً" چقیں اور پردے گرادیتیں۔ وہ سب چونکہ فوتگی میں لگے ہوئے تھے اس لیے ماہ رو نے خود ہی پردے وغیرہ برابر کردیے۔ معاً" فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔
وہ بے زاری سے فون تک گئی تھی اور ہیلو بھی بمشکل ہی کہا۔ دوسری طرف عون ہوگا۔ یہ ماہ رو کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس کی ساری سستی ہوا ہو چکی تھی۔
عون نے صبح والے موڈ سے ہٹ کر قدرے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔
"تم سوتو نہیں رہی تھی؟"
"نہیں۔۔۔" وہ اتنے خوش گوار موڈ پہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی۔
"اور لنچ کا کیا بنا؟" ایک اور ملائمت میں ڈوبا سوال آیا۔ ماہ رو نے حیرانی پہ قابو پا کرتا پایا تھا۔
"امی اور بھابھی چکن ٹھنڈے بناگئی ہیں۔" اس نے اچک کر کچن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ چولہے پہ گکر رکھا تھا۔ یعنی ہانڈی تیار تھی۔ تاکہ پیچھے سے ماہ رو کو کھانا بنانے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ روٹیاں یاسر نے تندور سے واپسی پہ لے کر آنی تھیں۔ سو لنچ کی طرف سے بے فکری تھی۔ سلاد وہ خود بنا سکتی تھی۔ اب اتنا بھی نہ کرتی۔ "وہ ایکچویلی! میں نے موٹے سانڈ کو لنچ پہ انوائٹ کرلیا ہے۔ اسی بہانے فائل پہ بات کرلوں گا۔ موٹا اپنی بیوی کے ساتھ آئے گا۔ کھانے کا کیا کروگی؟ وہ ہوٹل کا کھانا بالکل نہیں کھاتا۔ اینی وے ہم فریحہ سے کہنا۔ وہ مینج کرلے گی۔ کوکنگ اس کے دائیں ہاتھ کا کام ہے۔" وہ روانی میں بولتا ہوا پھر فریحہ نامہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ ماہ رو جو صبح سے تپی ہوئی تھی چڑ کر بولی۔
"میں نے خود کافی کوکنگ سیکھ لی ہے۔ بنا سکتی ہوں۔ فریحہ کی خدمات لینے کی ضرورت نہیں۔"
"سانڈ نے ابھی مرنا نہیں۔ کم از کم میری فائل پہ سائن کرنے سے پہلے تو نہیں۔" عون نے جیسے دہائی دی تھی۔
"تمہارا سانڈ میرے ہاتھ کا کھانا کھا کر ہمیشہ یاد رکھے گا۔" ماہ رو بھی اپنی تعریفوں پہ تلی ہوئی تھی۔ عون نے سر تھام لیا۔

"تم مروادو گی مجھے۔"

"دیکھنا تو سہی۔۔۔ تم بھی یاد رکھو گے۔" ماہ رو نے اگلی بات سنے بغیر کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔ لیکن پھر سے فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ اس نے تلملا کر فون اٹھایا۔

"تم مجھے اب کچھ کرنے دو گے یا نہیں؟ ٹائم بھی کم ہے۔" وہ بھنا کر بولی تھی۔ عون کو ہول اٹھنے لگے تھے۔ اسے ماہ رو کی کوکنگ پہ بھروسا نہیں تھا۔ اور وہ کافی خدشات کا شکار تھا۔ لیکن ماہ رو نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔ فون بند کر دیا تھا پھر جلدی سے کچن میں آ گئی۔ عون کو متاثر کرنے کا یہ پہلا بہترین موقع تھا۔ وہ کیوں ہاتھ سے جانے دیتی۔ فریحہ کو کیوں بلاتی؟ تاکہ وہ اور عون کو اپنے کنٹرول میں کر لیتی۔ اور عون بھی بلاوجہ اس کا احسان مند رہتا۔ فریحہ کو اور اپنی کوکنگ اور سگھڑاپے کی دھاک بٹھانے کا موقع مل جاتا۔

ماہ رو بڑی پرجوش تھی۔ اور خوب ولولے کے ساتھ کچن میں آئی تھی۔ فریج کھولا اور سب سے پہلے سامان دیکھا۔ گھر میں ہر چیز موجود ہوتی تھی۔ اور ابھی بھی موجود تھی۔

وہ سب سے پہلے ذہن میں مینو ترتیب دینے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ کس سے مزید مشورہ لے۔ فریحہ کا آپشن تو ریجیکٹ (نامنظور) شدہ تھا۔ وہ مر کر بھی اس سے مدد نہ لیتی۔ مریم کے میکے کال کرنا غیر مناسب تھا۔ کائنات ہوتی تو وہ ضرور مشورہ دیتی لیکن اب۔۔۔

وہ کیا کرے؟ پلاؤ بنانا مشکل نہیں تھا۔ اس نے بہت دفعہ اس گھر میں بنتے دیکھا تھا۔ ماہ رو کو بھی پسند تھا اور طریقہ بھی آتا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک مرتبہ ری فریش کرنا ضروری تھا۔

معاً" فریحہ کچن میں آ گئی۔ وہ جو سوچوں میں گم بریانی اور پلاؤ میں سے ایک ڈش کو فائنل کرنا چاہتی تھی لمحہ بھر کے لیے چونک گئی۔ "ایں' یہ فریحہ کیوں آئی؟" ماہ رو کو بے طرح سے غصہ آیا تھا۔ ادھر فریحہ پورے کچن میں پھیلائی چیزوں کو دیکھ کر معنی خیزی سے مسکراتی رہی۔

"کیوں آئی ہو؟" اس کی استہزائیہ نظروں کو دیکھ کر ماہ رو نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا تھا۔ فریحہ کی طنزیہ مسکراہٹ یکدم غائب ہو گئی تھی۔

"عون نے فون کیا تھا۔ تاکہ دعوت وغیرہ کا انتظام کر سکوں۔ آخر پہلے بھی تو کرتی تھی۔ اور اسے میرے پکائے کھانوں پہ بھروسا ہے۔" فریحہ کا آگ لگاتا لہجہ ماہ رو کو غصے کی انتہاؤں پہ لے گیا تھا۔ اس نے زہر بھرے لہجے میں فریحہ کو جتلایا۔

"پہلے کی بات اور تھی۔ تمہارا شکریہ جو تم نے ماضی میں کیا۔ اب میں خود بنالوں گی۔ تم جاؤ۔" ماہ رو نے بمشکل دفع ہو جاؤ کہنے سے خود کو روکا تھا۔ اسے فریحہ پہ غصہ ہی بہت تھا۔ یہ اور بات تھی کہ مروتاً" چپ کر جاتی تھی۔ فریحہ اس کھلی بے عزتی پہ توہین سے تپ اٹھی تھی۔ اس کا لہجہ ابلتے پانی کی طرح کھول رہا تھا۔

"میں چلی جاتی ہوں۔۔۔ اور دیکھتی ہوں تم کون سا عون سے میڈل وصول کرتی ہو۔ آج یہ چیلنج ہے تمہیں دیا۔" فریحہ کا زہر خند انداز' تپتا سرخ چہرہ اور آنکھوں کا عجیب سا تاثر نظر انداز کیے جانے والا نہیں تھا۔ لیکن ماہ رو نے فریحہ پہ لعنت ڈال کر اپنا وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ اور کھانے کی تیاری میں لگ گئی تھی۔ چونکہ وقت کم تھا اور مقابلہ سخت تھا۔ اب تو فریحہ کو بھی منہ توڑ جواب دینا تھا۔ بڑی آئی تھی سگھڑ اور سلیقہ مند۔

ماہ رو کبھی بھی فریحہ سے اتنے تلخ لہجے میں بات نہ کرتی۔ لیکن یہ فریحہ خود ایسی باتیں کرتی تھی کہ نہ چاہ کر بھی اسے منہ توڑ جواب دینا پڑ جاتا تھا۔

ماہ رو نے سوچا وہ پلاؤ' قورمہ' کباب' اور میٹھے میں ٹرائفل بنا لے گی۔ سلاد الگ سے ہوں گے۔ اتنے کم وقت میں یہ سب کچھ بھی بن جاتا تو بہت تھا۔ ویسے بھی یہی ڈشز اس نے ثنا اور مریم سے سیکھی تھیں۔ اس گھر میں یہی ڈشز زیادہ تر پکائی اور کھائی جاتی تھیں۔ مہمانوں کے لیے بھی یہی اہتمام ہوتا تھا۔ اور یہ ایک لحاظ سے کافی اہتمام تھا۔ لیکن چونکہ یہ دعوت کی تیاری تھی سو وہ بار بار کنفیوز ہو جاتی۔ اسی

کنفیوژن میں اچانک سے اپنے کک کریم کا خیال آ گیا تھا۔

"او۔۔۔ میں نے پہلے کیوں نہیں سوچا۔ مجھے کریم سے ہیلپ لینا چاہیے۔" دوسرے ہی لمحے وہ اپنا سیل فون اٹھا کر کچن میں آ گئی تھی۔ چکن' چاول چنتے دھوتے ہوئے ساتھ ساتھ وہ کریم سے بات کر رہی تھی۔ اور کریم سن کر ہول ہول جا رہا تھا۔

"ماہ بی بی! رحم کریں۔ ہم پہ رحم کریں۔ آپ کچھ مت پکانے کی کوشش کریں۔ میں سب کچھ ریڈی کرتا ہوں اور ڈرائیور کے ساتھ آ کر دے جاتا ہوں۔ آپ ہاتھ بھی مت لگائیے گا اسٹو کو۔" کریم کی جیسے جان پہ بن آئی تھی۔

"تم مجھے جسٹ گائیڈ کرتے رہو۔ کوانٹٹی میں کچھ مسئنگ ہو جاتا ہے۔ میں سب کر لوں گی۔" ماہ رو نے رعب سے کہا۔

"ماہ بی بی! آپ سے نہیں ہو گا۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا آپ کچن میں ہیں۔ آپ کچھ نہیں بنائیں۔ سب کچھ اے ون فائنٹ ریڈی کرتا ہوں۔" کریم نے آخری دم تک زور لگایا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

"دس از کوائیٹ نیو ٹومی۔۔۔ آئی ایم ویری ایکسائٹڈ تم بس گائیڈ کرو۔" (یہ میرے لیے سراسر نیا ہے۔ میں بہت پرجوش ہوں۔ تم مجھے بتاتے جاؤ) ماہ رو نے جوش سے کاپی پنسل پکڑ کے ضروری پوائنٹ لکھ لیے تھے۔ دوسری طرف کریم بھی فون بند کر کے سارے ہیلپرز کو اکٹھا کرتا کچن کی طرف بھاگ رہا تھا۔ سرفراز ولا میں ایک دم بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔

ماہ رو نے موبائل رکھ دیا اور پوری تندہی سے کام میں لگ گئی تھی۔

اور پھر حیرت انگیز طور پر ماہ رو نے کافی چیزیں اتنی بہترین بنالیں کہ خود بھی دنگ رہ گئی۔

اس نے پلاؤ بھی بنالیا۔ دانہ دانہ الگ نہ سہی لیکن بہت اچھا بنا تھا۔ قورمہ بھی تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔ کباب جسٹ فرائی کرنے تھے۔ ٹرائفل کو ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھا تھا۔ سیلڈ وہ نہا کر بنانا چاہتی تھی۔ کیونکہ تین چار گھنٹوں میں ہی وہ حال سے بے حال ہو چکی تھی۔

منہ پہ' ہاتھوں پہ' کپڑوں پہ جگہ جگہ داغ لگے تھے۔ پسینہ بہہ رہا تھا۔ بال گھونسلے میں بندھے لگتے تھے۔ وہ ایک ایک چیز کو چکھتی مطمئن ہو کر اپنے روم کی طرف چلی گئی تھی۔

جب تک وہ نہا کر باہر آئی۔۔۔ تب تک قورمہ بھی پک گیا۔ ماہ رو نے پہلے خود کو سنوارا۔ بہت اسٹائلش شرٹ جس کے نیچے وہی اس کی پسندیدہ ٹائٹس پہنے' گلے میں رسی نما اسٹول۔۔۔ بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنا کر اس نے نیچرل میک اپ کیا اور باہر آ گئی۔۔۔ اب اسے فائنٹ سیلڈ بنانا تھا۔ جو آدھے گھنٹے میں بن گیا۔ اور اسی وقت عون بھی اپنے اسٹاف کے جلو میں آ گیا۔

ساجد اور اس کی بیوی کے علاوہ دو لڑکیاں' ایک انکل اور ایک آنٹی بھی ساتھ آئے تھے۔ ماہ رو کی آنکھیں ابل پڑیں۔

"کیا کھانا پورا ہو جائے گا؟"

اس کا دل ہل گیا۔ دو لوگوں کے تناسب سے کھانا کچھ ہی زیادہ تھا۔ مارے گھبراہٹ کے وہ خاصی بوکھلا گئی تھی۔ لیکن اس نے اپنی بوکھلاہٹ مہمانوں پہ ظاہر نہیں کی تھی۔

مہمانوں سے مل کر جوس سرو کر کے اور اپنی ڈھیر ساری تعریفیں وصول کر کے وہ کچن میں آ گئی تھی۔ اور اس کے پیچھے عون بھی بھاگا بھاگا آ گیا تھا۔ پھر اس نے ڈھکن اٹھا اٹھا کر ایک ایک ڈش کو دیکھا۔

"خوشبو تو اچھی ہے اور مقدار بھی کم نہیں۔ کھانا پورا ہو جائے گا۔ **ایکچوئیلی**! باقی لوگوں کا اچانک پروگرام بن گیا تھا۔ پھر میں نے سوچا بتانے کی ضرورت نہیں۔ فریحہ کون سا کم کھانا بناتی ہے۔" اس نے ڈشز کی خوشبو سے مطمئن ہو کر فریحہ نامہ کھولا ہی تھا جب ماہ رو اچانک تپ گئی تھی۔

"کھانا میں نے بنایا ہے۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"ایں۔۔۔ واقعی؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔ بالکل

یقین نہیں آیا تھا۔ اور اسی لیے عون نے دوبارہ ساری ڈشز کا معائنہ کیا۔ وہ کھانے کی خوشبو سے 'رنگت سے تو مطمئن ہو چکا تھا لیکن ذائقہ؟

وہ چکھے بغیر ماہ رو کو ڈش آوٹ کرنے نہیں دے رہا تھا۔ ماہ رو بڑے جوش و خروش سے اسے ایک ایک آئٹم چکھا رہی تھی۔ اور وہ جیسے جیسے چکھ رہا تھا۔ اس کے تاثرات؟ ماہ رو کی نگاہ جیسے ہی عون کے چہرے پہ پڑی تھی۔ اس کی جیسے جان نکل گئی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین ہل گئی تھی۔ عون کا کوئی ایک تاثر بھی نارمل نہیں تھا۔ وہ کسی بھی آئٹم کو چکھ کے خوش نہیں ہوا تھا۔ کیوں؟ آخر کیوں؟

ماہ رو تو آخری تسلی کر کے ایک ایک ڈش کو کئی مرتبہ چکھنے کے بعد مطمئن ہوئی تھی۔ پھر اب کیا ہوا تھا؟ آخر کیا؟ وہ گھبرا گئی تھی۔ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کا دل اتنا بے قابو ہو رہا تھا کہ حد نہیں۔

پھر عون نے ایک ایک چیز کو زبردستی ماہ رو کے منہ میں ٹھونسا۔

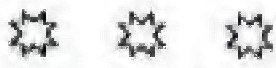
"چکھو.... خود چکھو اور بتاؤ۔ یہ تم نے کھانا بنایا ہے؟ یہ مہمانوں کے کھانے 'ان کے سامنے رکھنے کے قابل ہے؟ یہ تم نے کیا کیا؟ اوف 'خدایا! یہ تم نے کیا کر دیا؟ اب میں کیا کروں؟ تم نے مجھے بے عزت کر دیا۔" عون مارے پریشانی 'غصے اور غضب کے خود بھی کچن میں چکراتا پاگل ہو رہا تھا۔

"کدھر ہے فریحہ! میں نے اسے کہا تھا کھانا بنائے .... پھر تم نے کیوں بنایا؟ مجھے شرمندہ کرنے کے لیے! مجھے ذلیل کرنے کے لیے؟ بتاؤ۔ تم نے یہ کیوں کیا؟ جان بوجھ کر؟" وہ آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ لیکن بہت اونچی آواز میں چلا بھی نہیں سکتا تھا۔ تاکہ مہمانوں تک آواز نہ پہنچ جائے۔

اور ماہ رو کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو جیسی بھی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ رہی تھیں اور زبان عجیب و غریب ذائقوں پہ اکڑ رہی تھی۔

یہ خوش رنگ پلاؤ تھا جس میں سے ٹاٹری کی کھٹاس محسوس ہوتی تھی۔ یہ قورمہ تھا جس میں چینی کے علاوہ کوئی اور ذائقہ نہیں تھا۔ اور ٹرائفل میں نمک۔ کیا یہ سب ماہ رو نے بنایا تھا؟ اور تب یہ ایسا کیوں نہیں تھا؟ آخر اس کی محنت کو کس نے نظر لگائی تھی؟ اس کا بنایا کھانا کس نے خراب کیا تھا؟ اور اب کھانا خراب ہو چکا تھا تو پھر مہمانوں کے سامنے کیا رکھنا تھا؟

ماہ رو کو اتنا زور کا چکر آیا کہ وہ سلیب نہ پکڑتی تو زمین بوس ہو جاتی۔



اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ماہ رو کے دل کو پتنگے لگ رہے تھے۔ اور عون کے طعنے جیسے جان نکال رہے تھے۔ عون 'سن ہوتے دماغ کو قابو میں رکھتا فریحہ کو بلا لایا تھا۔

"تم کچھ کر سکتی ہو تو کرو۔ میں کسی ہوٹل سے ایک آدھ ڈش اٹھا لاتا ہوں۔" وہ اتنا پریشان تھا کہ حد نہیں تھی۔ اور اسے پریشان دیکھ کر ماہ رو کا دل کٹ کٹ کے گر رہا تھا۔ وہ ایک کونے میں کھڑی ٹپ ٹپ آنسو بہا رہی تھی۔ اس کی ساری محنت اکارت گئی تھی۔

ہاتھ جلایا بھی تھا اور ہاتھ کچھ آیا بھی نہیں تھا۔

الٹا عون کا غصہ اور ناراضی سہنا پڑ رہی تھی۔ وہ اتنے شدید غصے میں تھا کہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہا تھا۔ اوپر سے اس کی شعلہ بیانی۔

"تمہیں پتا تو تھا اس پھوہڑ کو کچھ نہیں آتا۔ پھر تم کیوں اس پہ چھوڑ گئیں سب کچھ...." وہ زہر بھری اچٹتی نگاہ ماہ رو پہ ڈالتا فریحہ سے مخاطب تھا۔ اور تب فریحہ کو اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا۔

"اس نے مجھے خود نکالا تھا کچن سے باتیں سنا کر۔" وہ بڑے طنز سے بغیر جھجکے اس کے منہ پر کہہ رہی تھی۔ اسے کون سا ماہ رو سے ڈر تھا۔ جو وہ منہ پہ بات نہ کرتی اور نہ ماہ رو سے بہناپا تھا جو 'اس کا پردہ رکھتی۔ وہ اسے ذلیل کروانا چاہتی تھی سو کروا رہی تھی۔

اور عون نے ماہ رو کی سات منٹ کی اندر وہ دھلائی کی تھی کہ شاید ہی کسی کی ہو۔ بس مارنے کی کسر رہ گئی تھی۔ بلکہ بھگو بھگو کر مار بھی رہا تھا۔ غصہ بھی کر رہا تھا۔

طنز بھی۔ بے عزتی بھی۔ فریحہ کے سامنے۔ پھر فریحہ نے اپنی تیز ترین سروسز مہیا کرتے ہوئے کہا۔
"تم کھانا لے آؤ۔ میں تب تک کباب فرائی کرتی ہوں۔ یہ تو کباب بھی ٹھیک نہیں۔ جلے سے لگتے ہیں۔" اس نے فریج سے کوک نکالتے ہوئے عون کو باہر بھیجا تھا اور ماہ رو کے بنائے کباب ڈسٹ بن میں الٹ دیے۔ اپنی طرف سے اسے اور اس کی بنائی چیز کو ریجیکٹ کیا تھا۔
ماہ رو اس کھلی بے عزتی پہ احتجاج بھی نہیں کر سکی۔
اور عون جو ایک مرتبہ پھر ماہ رو کو زہر بھری نگاہوں سے گھورتا موبائل پہ کھانے کا آرڈر دے رہا تھا اس وقت خاموش ہو گیا جب اندر آتی سکینہ دکھائی دی تھی اور اس کے پیچھے فل شیف یونیفارم میں کریم تھا۔ اس کے پچھلے ہیلپر سلیم۔ ان سب نے بڑے بڑے ٹفن اٹھا رکھے تھے۔ اور وہ لوگ مودب سے کچن میں آنے کی اجازت مانگ رہے تھے۔ عون' فریحہ اور خود ماہ رو تک حیرانی رہ گئی تھی۔
تب کریم مہذب لہجے میں نرمی سے بولا۔
"ماہ بی بی! آپ کو منع بھی کیا تھا۔ کچھ نہ پکائیں۔ میں دعوت کا سارا اہتمام کر لیتا ہوں۔ پھر بھی آپ نے۔۔۔" کریم نے کچن میں پھیلے پھیلاوے کو دیکھتے ہوئے سلیم کو اشارہ کیا۔ سارے ٹفن ٹیبل پہ سجا کر سلیم نے منٹوں میں کچن سمیٹ دیا تھا اور سکینہ ماہ رو سے پوچھ کر شوکیس سے نفیس ساڈنر سیٹ نکال رہی تھی۔ ساتھ کریم سے مخاطب تھی۔
"منع تم نے خاک کیا تھا۔ ماہ بی بی نے اپنا ہاتھ تک جلا لیا۔ صدقے جاؤں' اوپر کچھ لگایا بھی نہیں۔۔۔" سکینہ جو مارے صدمے کے اس کا ہاتھ دیکھ کر پھٹ پڑی تھی ماہ رو کے روکنے پہ بمشکل رکی۔
"سکینہ تم مجھے چھوڑو' اور فٹافٹ کھانا سرو کرو۔۔۔ میں ڈرائنگ روم میں ہوں۔" ماہ رو کا لمحوں میں ازلی اعتماد لوٹ آیا تھا۔ اور وہ کچھ دیر پہلے کی ساری ٹینشن بھلا کر ایک نظر فریحہ کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھتی ہوئی کچن سے باہر جانے لگی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی اب کھانا سرو کرنے' ٹیبل سجانے تک کسی بھی قسم کی ٹینشن نہیں تھی۔ اس کے گھر کا ٹرینڈ کک آچکا تھا۔ سب کچھ بہترین ہونے والا تھا۔
اسے اپنے وفادار' ذہن شناس نوکروں پہ ٹوٹ کر پیار آگیا تھا۔ کریم جانتا تھا۔ وہ کبھی بھی کسی دعوت کا اہتمام نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس نے یہ کام کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ سو وہ اپنی ذہانت سے سب کچھ بنا لایا تھا۔
ماہ رو جیسے' بہت بڑی ذلت سے بچ گئی تھی۔
کچن سے نکلتے ہوئے اس نے عون کو بھی مخاطب کیا۔
"ہم ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔ مہمان بھی کیا سوچتے ہوں گے۔ میزبان کہاں غائب ہیں۔" اور پھر فریحہ پہ ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر وہ دونوں ڈرائنگ روم میں چلے گئے تھے۔ اور فریحہ ایک کونے میں کھڑی ہکا بکا دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کا وجود اتنا ہی مس فٹ تھا۔
اور اس کے ساتھ ہوا کیا تھا؟ وہ حیران نہیں تھی ششدر تھی۔
اس کے ذہین دماغ کی پوری چال اسی پہ الٹ گئی تھی۔
شیف کریم ٹیبل پر برتن لگا رہا تھا۔ سر پہ ٹوپا جسم پہ یونیفارم' ہاتھوں پہ گلوز۔۔۔ ایک خوب صورت ٹیبل سج رہی تھی۔ رنگ رنگ کے لذیذ' گھر کے بنے' ذائقہ دار' خوش رنگ کھانے ڈش آؤٹ ہو رہے تھے۔ چکن ویجی ٹیبل رائس' فش اسٹریپس' مٹن تکہ' کباب سیزلر' چکن الاکیو' پیکلڈ میکرونی' میٹھے میں دہلوی کھیر۔۔۔ ٹھنڈی چاندی کے ورق سے سجی۔۔۔ خوشبودار' لذیذ۔۔۔
ہر طرف خوشبو ہی خوشبو تھی۔ کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو۔۔۔ جو فریحہ کے نتھنوں میں گھس کر اسے پھر سے ذلت کا احساس دلا رہی تھی۔ اسے پچھاڑ رہی تھی۔
اور فریحہ ایک مرتبہ پھر شکست خوردہ کھڑی تھی۔ اکیلی' تنہا اور بے بس۔ وہ ماہ رو کو عون کے ہاتھوں رسوا

کروانا چاہتی تھی۔ لیکن الٹی چال پہ جواس باختہ ہو گئی۔ ماہ رو پھر جیت گئی تھی۔ کیونکہ عون کا باس 'اس کے کولیگز' ماہ رو سے بے انتہا متاثر ہو کر تعریفوں کے پل باندھتے روانہ ہوئے تھے... وہ سب عون کی بیوی کے حسن' سلیقے' قرینے سے بے انتہا' امپریس تھے۔ خاص طور پر باس کی بیوی۔ جو یہ سن کر شدید حیران ہوئی تھی کہ ماہ رو سیٹھ سرفراز کی بیٹی ہے۔ جن کی کمپنی میں اس کا باپ بطور ایم ڈی کام کرتا تھا۔

اور یوں ماہ رو ایک مرتبہ پھر فاتح کہلائی گئی تھی اور فریحہ شکست خوردہ بھی' زخم خوردہ بھی۔



اور پھر یہ سلسلہ یہاں تک رکا نہیں تھا۔ فریحہ نے اگر ماہ رو کو پچھاڑنے کا عہد کر رکھا تھا تو وہ اس عہد کو آخر تک تکمیل کے مرحلوں میں پہنچانا چاہتی تھی۔ وہ ماہ رو کو عون کی زندگی سے نکالنا چاہتی تھی اور اس کے لیے فریحہ نے ہر حد کو للکارا تھا۔ اسے ہر صورت ماہ رو کو اس گھر سے نکالنا تھا۔ اس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس دن ماہ رو بڑی ذلالت سے بچ گئی تھی حالانکہ فریحہ نے اس کے منظر سے ہٹتے ہی بڑے طریقے کے ساتھ ہر پکی ہوئی ڈش میں چینی کا پانی' ٹاٹری' نمک ملا کر اپنی کمینگی کا ثبوت دیا تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ لیکن عون کے ہاتھوں ماہ رو کو بے عزت کروا کر اس نے بڑا مزا لوٹا تھا۔

اس دن گو کہ ماہ رو کی کچھ بچت بھی ہو گئی تھی۔ اس کے نوکر ٹفن اٹھا کر لے آئے اور ماہ رو مزید ذلیل ہونے سے بچ گئی۔ یہاں فریحہ کی ذہانت کو تھوڑی مات ہوئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ماہ رو اپنے گھر سے نوکروں اور پکے پکائے کھانے کو منگوا لے گی۔ کم از کم اس دن کی حد تک معاملہ سمٹ گیا۔

رات کو تایا تائی واپس آئے تو انہیں بھی ساری کہانی سنائی گئی۔ تائی یہ تو بھول گئی تھیں کہ کھانے میں چینی نمک کس نے ملایا تھا لیکن وہ ماہ رو کے جلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر عون کی دھنائی کرنا نہ بھولی تھیں۔ پھر عون کو اپنے سامنے بلا کر ماہ رو کے زخم پہ مرہم لگوائی تھی۔ ساتھ ساتھ کھنچائی بھی کی۔

"جب فریحہ موجود تھی تو تم نے میری بیٹی کو کچن میں کیوں جانے دیا۔ ابھی تو ہاتھ جلا ہے اگر وہ زیادہ جل جاتی تو۔" یوں عون کی درگت بناتی تائی کو ماہ رو سے پیار کرتے دیکھ کر فریحہ کے سینے پہ سانپ لوٹ گئے تھے۔

اور پھر عون کی وہ معذرت جو اس نے ماہ رو کے ہاتھ کو پکڑ کر مرہم لگاتے ہوئے سب کے سامنے کی تھی فریحہ عمر بھر نہ بھلا پائی۔

اور فریحہ کیا عون کی نوکرانی تھی؟

"میرے باپ کی بھی توبہ جو تمہیں کبھی کچن میں بھیجوں۔" اس کے آبلوں کو تکتا وہ شرمسار تھا اور پھر فریحہ ناک تک سنگسار جو عون کے حکم بجا لاتی۔ اس کی کنیز بنی رہتی۔ اس کی گرد پروانوں کی طرح گھومتی۔ اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا۔

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔

فریحہ کو ان چھوٹی موٹی پلاننگز میں اب ترمیم کرنا پڑی تھی۔ اسے کوئی بڑا داؤ چلنا تھا۔ کیونکہ ماہ رو کے جمے ہوئے قدم ان چھوٹی موٹی چالوں سے اکھاڑے نہیں جا سکتے تھے۔ اس کے لیے کسی بڑی وجہ' بڑے منصوبے' ضرورت تھی۔

چھوٹی موٹی ہر چال ناکام ہوتی چلی گئی تھی۔

اس نے کئی مرتبہ ماہ رو کی بے خبری میں عون کے ان کپڑوں کو جلا کر دیکھ لیا تھا جو ماہ رو اپنے تئیں استری کر کے الماری میں لٹکا دیتی تھی۔ پھر جب عون پہننے لگتا تو ایک لمبی لڑائی کا آغاز ہو جاتا۔ وہ ماہ رو کی بے عزتی کرتا' غصہ ہوتا۔ اسے پھوہڑ' بدسلیقہ' نکمی ہونے کے طعنے دیتا... پھر چیختا چلاتا باہر نکل جاتا یا تائی کے ہتھے چڑھ کر اپنا غصہ اپنے ہی ہاتھوں گنوا دیتا۔ تائی ماہ رو پہ آنچ آنے ہی نہیں دیتی تھیں۔

"اس کے باپ کے گھر پر ہر کام کے لیے نوکر ہیں... آواز دے تو دس حاضر ہوتے ہیں۔ اگر وہ تمہاری محبت میں کام کرتی ہے اور کچھ غلط ہو جاتا ہے تو تم درگزر سے

کام لیا کرو۔ آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی۔" تائی ہمیشہ ماہ رو کے لیے ڈھال بن جاتی تھیں اور تایا ماہ رو کے لیے سایہ دار درخت۔ پھر عون کی کہاں جرات پڑتی وہ ماہ رو کو انگلی بھی لگا دیتا۔ ایسے ہی ہر فریحہ کی چال اپنے داؤ میں خود پھنس جاتی تھی۔

اور اس دفعہ فریحہ کو یقین تھا کہ وہ کبھی ہارے گی نہیں۔ کبھی مات نہیں کھائے گی۔ کبھی شکست نہیں پائے گی۔ کیونکہ قدرت نے بھی اسے بڑا اعلا پائے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ لیکن اس سے بھی پہلے فریحہ نے ایک رات عون کے سامنے روتے ہوئے اس کا دل اور بھی رام کرنے کے چکر میں کہا۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ میں بہت صابر ہوں۔ بہت اعلا ظرف ہوں۔ یا پتھر کی بنی ہوں۔ مجھے کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ اور میں سب کچھ بھلا چکی ہوں۔ نہیں عون! میں اپنی ایک ایک اذیت اور ذلت کو نہیں بھولی۔ جو مجھے اٹھانا پڑی۔ مجھے پورے خاندان' محلے' رشتے داروں اور اجنبیوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑا۔ میری شادی ٹوٹی تھی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ میں ہر ایک کے سامنے سوالیہ نشان بنی۔ ابھی تک میرا جو بھی رشتہ آتا ہے لوگ مڑ کر دوبارہ نہیں آتے۔ اس لیے کہ انہیں میری شادی ٹوٹنے کی وجوہات پتا چل جاتی ہیں۔

تم نے ایک دن ذلت اٹھائی..... میں ہر روز اسی ذلت کے مرحلے سے گزرتی ہوں۔ لوگوں کی سوالیہ نگاہوں کا نشانہ بنتی ہوں۔ اور خواری اٹھاتی ہوں۔

میرا دل دیکھو تو فگار ہے۔ میں اپنے ٹوٹے وجود کا بوجھ اٹھائے بمشکل چلتی پھرتی ہوں۔ دل کرتا ہے خودکشی کر لوں۔ مر جاؤں۔ خود کو ختم کر لوں۔ امی' ابا کا خیال نہ ہو تو مر ہی جاؤں....." وہ تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔ عون کو رام کرنے تک روتی رہی۔ اور رام تو عون اس کے آنسو دیکھ کر ہی ہو جاتا تھا۔ اور ابھی بھی اس کا دل پسیج گیا تھا۔ اس کا گلٹ بھی تازہ ہو گیا۔ نئے سرے سے ماہ رو پہ غصہ آنے لگا۔ جی چاہ رہا تھا۔ اس کی تکہ بوٹی کر دے۔

آخر ماہ رو کی غلط چالوں نے فریحہ کو ان حالوں تک پہنچایا تھا۔

وہ لوہے کو نرم ہوتے دیکھ کر مزید چوٹ کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے پھر بھی اتنا کچھ سہہ کر بھی ماہ رو کا برا نہیں چاہا۔ اس کے لیے ہمیشہ اچھا ہی سوچا۔ تمہارے حوالے سے اس کی عزت کی۔ اسے کبھی طعنہ نہیں دیا۔ آخر برباد تو میں اسی کی وجہ سے ہوئی تھی۔" فریحہ روتے ہوئے ایک ایک سوئی کو ٹھیک جگہ پر چبھو رہی تھی۔ عون کا سر جھک گیا۔ فریحہ اور بھی جانے کیا کیا کہتی رہی۔ تڑپتی رہی..... ساری پچھلی باتوں کو دہراتی رہی۔

عون شرمسار سا سنتا رہا۔ جب فریحہ رو رو کر اور بول بول کر ہانپ گئی تب عون دھیمی افسردہ' بوجھل آواز میں بولا۔

"میں تمہاری تکلیف کیسے کم کروں فریحہ! میں شرمسار ہوں۔ گو کہ مجھے بھی تم سے کوئی دھواں دھار محبت نہیں تھی۔ لیکن بچپن سے ایک انسیت ضرور تھی۔ مجھے شادی ٹوٹنے کا اتنا ہی دکھ ہوا تھا جتنا تمہیں۔ میں بھی ویسی تکلیف سے گزرا تھا جس سے تم گزری۔ لیکن یقین مانو ابو اور چاچا میری ایک نہیں سن رہے تھے۔ ماہ رو کو سچا اور مجھے جھوٹا کہتے تھے۔"

فریحہ نے اس کی ساری بات کو نظر انداز کر کے صرف پہلے جملے پہ فوکس رکھا۔

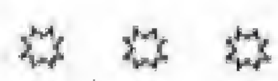
"تم میری تکلیف کم کر سکتے ہو۔" وہ اپنی بات دہرا رہی تھی۔

"کیسے؟" عون دھیمی افسردہ آواز میں آہستگی سے کہہ سکا۔ شرمندگی ایسی تھی کہ سر اٹھانا بھی محال تھا۔ یہ ماہ رو بھی نا..... عمر بھر کے لیے سوالیہ نشان بنا چکی تھی۔

"ماہ رو سے کہو۔ بھری محفل کے سامنے مجھ سے معافی مانگ لے۔ اپنا گناہ تسلیم کر لے۔ اس نے مجھے برباد کیا۔ تمہیں مجھ سے چھینا۔ شادی تڑوائی..... ہر ہر بات کا اقرار کر لے۔ بولو' کر سکتے ہو؟ ماہ رو کو مجبور کر سکتے ہو؟ میری اذیت ختم نہیں ہو گی لیکن کم ضرور ہو

جائے گی۔" فریحہ نے گیند اس کی کورٹ میں ڈال کر اپنا پہلا وار کیا تھا۔ جو کہاں تک کامیاب ہو سکتا تھا... وہ اسی رات ہی پتا چل گیا۔

کامیابی اور ناکامی کا اسی رات فیصلہ ہو گیا تھا۔ اور فریحہ کے فیصلے تو آر یا پار ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ ہوا کچھ اس طرح سے...



اور پھر وقت ماہ رو سرفراز کو دوراہے پہ لے آیا تھا۔

اور وقت ماہ رو سرفراز کو ایک بند گلی میں لے آیا تھا۔ ایسی بند گلی جس کے سامنے کوئی رستہ نہیں تھا۔ پھر بھی ماہ رو سرفراز نے اس بند گلی میں اپنے لیے راہ نکال لی تھی۔

صرف اپنے لیے نہیں' عون کی خوشی کے لیے۔ عون کی مرضی کے لیے۔ عون کی خواہش کے لیے۔ عون کی محبت کے لیے اور عون عباس کا حکم مان کر۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ اس کے سامنے یوں ہی نہیں کھڑا تھا۔ وہ اس کے سامنے کسی مقصد کے لیے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ نہیں تھا۔ لیکن سختی ضرور تھی۔ اور یہ سختی اپنی بات کو منوا لینے کے یقین کی حدوں کو چھوتی آنکھوں میں چھا رہی تھی۔

ماہ رو نے اس کی ایک ایک بات دل کے کانوں سے سنی تھی۔ اس نے دماغ کے ہر فیصلے' ہر رکاوٹ ہر بندش کو جھٹک دیا تھا۔ اس اپنی ہر دلیل کو جھٹک دیا تھا۔ اس نے اپنے اندر سے اٹھتی ہر آواز کو جھٹک دیا تھا۔ وہ صرف عون عباس کو سننا چاہتی تھی۔ وہ صرف عون عباس کی آواز کو سننا چاہتی تھی۔ باقی کیا تھا؟ سب کچھ ہیچ... باقی کیا تھا؟ سب کچھ ہیچ؟

صرف وہ تھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا ایسا عشق جو جنون نہیں بنا۔ بس عشق رہا... اور عشق لا محدود رہا۔ جسے دیکھ کر وہ ماہ رو سرفراز سے داسی بن گئی تھی۔ جوگن بن گئی تھی۔ اور وہ جو اس کا یقین تھا۔ ایقان تھا۔ سائبان تھا۔ کبھی بے مہر اور کبھی مہربان تھا۔

وہ جو چڑھتا آفتاب تھا۔ وہ جو ڈوبتا مہتاب تھا۔ نہ عروج تھا نہ زوال تھا۔ بس عشق باکمال تھا۔ وہی عون عباس' ماہ رو سرفراز کے سامنے کھڑا تھا۔ کچھ بولتا ہوا۔ کچھ کہتا ہوا۔ کچھ منواتا ہوا۔

اور ماہ رو کیوں نا' اس کی بات سنتی' مانتی... عمل کرتی۔

اس نے دل کے کانوں کو اس کے حرف حرف پہ لگا دیا۔ عون عباس کہہ رہا تھا۔ تمہیں فریحہ سے معافی مانگنا ہو گی۔ ہر جرم کا اقرار کرنا ہو گا۔ کردہ یا نہ کردہ... اور ہر صورت کرنا ہو گا۔ وہ گناہ گار ہوتی یا نہ ہوتی۔ مجرم ہوتی یا نہ ہوتی۔ اسے اقرار کرنا تھا۔ سب کے سامنے تسلیم کرنا تھا۔

ایک معذرت نامہ پیش کرنا تھا۔

اور اگر اتنی سی بات کے بدلے۔ اتنے سے عمل کے بدلے عون عباس اپنی داسی سے راضی ہو جاتا تو یہ سودا کیا گھاٹے کا سودا تھا؟

عون عباس کی خوشی اور خواہش کے لیے تو ماہ رو آگ کا دریا پار کر سکتی تھی۔ پل صراط پہ چل سکتی تھی۔ جان کی بازی لگا سکتی تھی۔ خود کو ہار سکتی تھی۔

پھر یہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔

صرف فریحہ سے معافی! گو کہ بہت ساری چیزوں میں ماہ رو انجان تھی۔ بے خبر تھی۔ اور جو کچھ ہوا تھا بے خبری میں ہوا تھا پھر بھی نادانستگی ہی سہی فریحہ کا دل ٹوٹا تھا۔ ماہ رو اس حد تک مجرم نہیں تھی پھر بھی معافی کے لیے تیار ہو گئی۔ گو کہ انجانے میں ہی سہی ... فریحہ کا دل تو فگار ہوا تھا۔ ماہ رو کی معافی بنتی تھی یا نہیں بنتی تھی۔ پھر بھی اس نے عون کی آواز پہ لبیک کہا تھا۔ وہ جان و دل سے حاضر ہو گئی تھی۔ ہر قسم کے نتائج کی پروا کیے بغیر۔

"بس عون عباس! اتنی سی بات؟ اگر پہلے کہہ دیتے اس انداز میں کہہ دیتے تو ماہ رو کبھی انکار نہ کرتی۔ انکار کرنے کی جرات ہی نہ کرتی۔ میں اپنی جان وار دیتی۔ خود کو ہار دیتی۔ لیکن تمہاری بات کبھی نہ رد کرتی۔" ماہ رو کے لہجے میں ٹھاٹھیں مارتے محبت کے سمندر کو محسوس کر کے عون عباس کا دل ہل گیا تھا۔ وہ سرتاپا ہل

گیا تھا۔ پھر وہ کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ بول ہی نہ سکا۔ کیونکہ ماہ رو نے ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف کی تکمیل کردی تھی اور صرف لفظوں کی حد تک نہیں کی تھی' بلکہ بڑے ہال میں جب سارا خاندان گھر کا بچہ بچہ موجود تھا تب بھی وہی الفاظ دوہرائے تھے جو فریحہ سننا چاہتی تھی اور جس کا گھر کے کسی بھی فرد کو گمان تک نہیں تھا۔ ماہ رو نے بڑے ٹھہرے ہوئے' ٹھوس' مستحکم اور پائیدار لہجے میں کہا تھا۔

''میں فریحہ سے معافی مانگتی ہوں۔ ان سب ناکردہ غلطیوں اور گناہوں کی اور کردہ گناہوں کی.... جو مجھ سے انجانے میں ہوئے یا جان بوجھ کر ہوئے۔ جس کی وجہ سے فریحہ کا دل ٹوٹا۔ اور میں اس دل کے سامنے شرمندہ ہوں۔ شرمسار ہوں۔ کیونکہ دل اللہ کا گھر ہوتا ہے۔ اس کو توڑ دینا گناہ ہے۔ مجھ سے یہ گناہ انجانے میں ہوا فریحہ یقین کرے یا نہ کرے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے رکی تھی۔ ''لیکن سچ یہی ہے۔'' اس نے اپنی بات مکمل کردی تھی۔ اس صورت میں کہ ہر آنکھ حیران تھی۔ ہر چہرہ فق تھا۔ ہر کوئی جیسے دنگ تھا۔

فریحہ چاہتی تھی۔ ماہ رو جھک کر اس کے سامنے آئے۔ ذلیل ہو کر آئے۔ اپنے گناہوں تلے دب کر آئے۔ اور ماہ رو ایسے ہی جھک کر آئی بھی تھی۔ لیکن اس کے جھکنے کو اعلا ظرفی' وسیع القلبی کی واضح مثال کہا گیا تھا اور اس کی ساس نے روتی ہوئی ماہ رو کو سینے سے لگا کر محبت بھرا احساس بخشا تھا اور ماہ رو تب بھی تڑپ تڑپ کر ایک ہی بات دہرا رہی تھی۔ رو رو کر ایک ہی بات دہرا رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک ہی پکار تھی۔ ایک ہی ورد تھا۔ ایک ہی گردان تھی۔

''عون عباس کے لیے....

عون عباس کے لیے....

ماہ رو سرفراز ہر حد سے گزر سکتی ہے۔ عون عباس کے لیے جھک بھی سکتی ہے۔ ناکردہ گناہ کا کشٹ بھی اٹھا سکتی ہے۔ عون عباس کے لیے ماہ رو سرفراز مر بھی سکتی ہے۔''



اور یہ فریحہ کے لیے دوسرا برباد ہو چکا تھا۔

ہر چال کا رخ پلٹ جاتا تھا۔ ہر چال کا منہ الٹ جاتا تھا۔

فریحہ زخمی شیرنی کی طرح بپھر رہی تھی۔ ہر چال اس کے منہ پر پڑ رہی تھی۔

اس نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا تھا؟ وہ تو ماہ رو کا سر جھکانا چاہتی تھی۔ عون اور ماہ رو میں اختلاف کی ایک اور بڑی خلیج لانا چاہتی تھی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ ماہ رو' عون کی بات کیسے مان گئی؟ کیوں مان گئی؟ وہ انکار کرتی تو منصوبہ کامیاب ہوتا۔ ان کا جھگڑا بڑھتا اور فریحہ عون کو طعنے دینے کے لیے پنجے تیز کرتی۔ اس کی بیوی اس کا کہا ایک لفظ تک نہیں مانتی۔

لیکن یہاں سب کچھ الٹ گیا تھا۔ بکھر گیا تھا۔

ماہ رو ایک مرتبہ پھر اپنی تمام تر بے وقوفی کے ساتھ جیت گئی تھی۔ فریحہ اپنی تمام تر ذہانت کے ساتھ ہار گئی تھی۔ وہ اعلا ظرف بھی بن گئی۔ وسیع القلب بھی بن گئی۔ وہ عاجز بھی بن گئی۔ وہ جھک بھی گئی۔ اور ایک مرتبہ پھر ماہ رو ہر جگہ ہر منظر میں واضح ہوتی چھا گئی تھی۔ ایک مرتبہ پھر فریحہ پس منظر میں چلی گئی تھی۔

ایسا کیوں ہوتا تھا؟ ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا تھا؟ فریحہ کے ساتھ ہی کیوں ہوتا تھا؟ وہ ہر دفعہ خود سے یہ سوال پوچھتی تھی۔ لیکن ہر دفعہ کوئی جواب نہیں ملتا تھا۔

لیکن اس دفعہ یہ نہیں ہونے والا تھا۔ بالکل نہیں ہونے والا تھا۔ کیونکہ اس دفعہ جو داؤ فریحہ نے چلا تھا وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ قدرت نے اسے موقع فراہم کیا تھا۔ ایسا موقع جسے فریحہ نے اپنی ذہانت کے ساتھ مکمل اپنے بس میں کر لیا تھا۔ یہاں ماہ رو اور ماہ رو کا حسن ہار گیا تھا۔ فریحہ کی ذہانت جیت گئی تھی۔ ہوا کچھ اس طرح سے تھا۔

وہ ماہ رو کا جنم دن تھا۔ اس دن سے پہلے ماہ رو کے ڈیڈی اور ممی ابراڈ چلے گئے تھے۔ جانے سے پہلے وہ ملنے آئے تھے اور اس کے ہفتہ بعد ماہ رو کا برتھ ڈے آگیا۔ اس گھر میں پہلی مرتبہ بچوں کے علاوہ کسی کی

سالگرہ منائی جارہی تھی۔ بہت دھوم دھام کے ساتھ۔ ہر ایک سرشار تھا۔ ہر ایک خوش تھا۔ ہر کوئی پرجوش تھا۔ حتیٰ کہ عون بھی۔

عون چاہے جتنا مرضی خوش ہونے کا سوانگ بھر تا یا ماہ رو جتنی مرضی خود کو کامیاب' خوش اور سرشار کرنے کی اداکاری کر لیتی۔ پھر بھی فریحہ جانتی تھی وہ دونوں اول روز سے ہی ایک دوسرے سے دور ہیں.... اور دور ہی رہیں گے۔ یہ فاصلے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ کیونکہ بیچ میں فریحہ کھڑی تھی۔

اور اس دن فریحہ نے ماہ رو کو بہت خوش دیکھا تھا۔ اتنا خوش کہ اس کا اپنا بھی یقین ڈول گیا تھا۔ وہ خوش نہیں تھی۔ انتہاؤں کی خوش تھی۔ جیسے ہفت اقلیم کی دولت پالی ہو۔ جیسے پورا زمانہ پالیا ہو۔ اس نے آج بھی بلیو رنگ پہن رکھا تھا۔ بلیو کلر کی ستاروں سے بھری میکسی میں اس کی دودھیا رنگت چھلک رہی تھی' اس کے حسن کی تابناکی سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھی.... اور دھڑکنوں کی حالت کا انت نہیں تھا۔

یہ تو عام لوگوں کا حال تھا۔ اور عون پہ اس نے کیا حشر سامانی کی ہوگی۔ وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ بلکہ تیاری کو آخری ٹچ دے رہی تھی۔ جب اچانک عون کمرے میں بولتا ہوا داخل ہوا تھا۔

"ایک تو بچوں کو مات کرتی تم۔ موم بتیوں کو پھونک مار کے بجھاؤ گی۔ اور کیک کاٹو گی۔ اوپر سے تیاری ختم ہونے کو نہیں آرہی۔ بچے الگ سیون اسٹوری کیک کو دیکھ دیکھ کر ماؤس کی جان کھا رہے ہیں۔ اب نکل بھی آؤ باہر یا ایکس توپوں کی سلامی پیش کروں.... تم نے تو .... " اور عون کے اگلے الفاظ منہ میں ہی گم رہ گئے تھے۔ وہ جیسے زنجیر پا ہو گیا تھا۔ یا مسحور ہو گیا تھا یا مبہوت ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں رنگ محل کے سارے رنگ اتر آئے تھے۔ وہ ایک خواب کی کیفیت میں چلتا ہوا اس کے مقابل آگیا۔ اس کے سامنے آگیا۔

پھر اس نے عالم بے خودی میں ماہ رو کا رخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

"یہ کس پہ بجلیاں گرائی ہیں؟" اس کی آواز میں بھی بے خودی کی سوندھ گندھ گئی تھی۔ اس کے چہار جانب مہکار تھی۔ خوشبو تھی' رنگ تھے' جگنو تھے۔

عون کو لگا۔ وہ کھڑے سے گر پڑے گا۔ اس کے بازو ماہ رو کی کمر میں حمائل تھے اور جب وہ گرے گا تو ماہ رو اس کے اوپر.... نہیں' اس وقت ایسی سچویشن افورڈ ایبل نہیں تھی۔ باہر لوگ تھے اور مہمان تھے۔ اور ماہ رو کی پکار بھی بہت واضح تھی۔ سب لوگ باہر اسے بلا رہے تھے۔ تاکہ وہ آئے اور کیک کاٹے۔ اور عون کے دل میں جو بھاپ کی طرح اٹھتا رومانس مچل رہا تھا اس کا کیا بنتا؟

اس نے عالم بے بسی سے ماہ رو کو خود میں سمو لیا.... اور ماہ رو جیسے سراپا زعفران بن گئی تھی۔ ماہ رو کی ساری طراری اور اعتماد جاتا رہا تھا۔ پھر بھی اس نے پاگل ہوتی دھڑکنوں کو قابو کرتے ہوئے کہا تھا اور بمشکل ہی کہا تھا۔

"تم پہ بجلیاں گرائی ہیں...." وہ بار حیا سے ٹوٹ پڑتی تھی اور پلکوں کی جھالر اٹھتی نہیں تھی۔ اور دل تھا کہ عون عباس کے حضور سجدہ ریز ہو رہا تھا۔

"ہم تو کب سے مرمٹے۔" عون کی آواز اور بھی بوجھل ہوئی۔

"لگتا تو نہیں.... ثبوت دو تو بات بنے۔" اس نے عون کی بات اسی پہ لوٹا دی تھی۔ وہ گلا کھنکار کر رہ گیا۔ پھر اس نے ماہ رو کی صبیح پیشانی کو ہاتھ کی پوروں سے چھوا اور نرم سی مہر محبت ثبت کی تھی۔

"کیا ابھی دوں؟" وہ آنکھوں میں شرارت بھر کے پوچھ رہا تھا۔ اس کا اشارہ واضح تھا۔ دنیا جہاں کی بولڈ ماہ رو نے فریحہ کو بھری محفل میں معافی نامے کا اعزاز بخشا تھا تب سے عون کا رویہ' اس کے جذبات' اس کے احساسات میں واضح تبدیلی آگئی تھی۔

عون بدل گیا تھا۔ اور واقعی عون عباس بدل گیا تھا۔ کم از کم ماہ رو کے لیے بدل گیا تھا۔

"نہیں' ابھی نہ وقت ہے نہ موقع...." ماہ رو نے اس کی بات کا جواب دیا تھا اور عون نے برجستہ آگے

ٹکرا گیا تھا۔

"اور نہ دستور..... کیونکہ ثبوت حقیقی پیش کرنے کے لیے ایک وسیع پلیٹ فارم ہونا چاہیے۔ موقع ہونا چاہیے۔ دستور ہونا چاہیے۔ ہر چیز کا ایک قرینہ ہوتا ہے۔ ایک طریقہ ہوتا ہے۔ کیوں ماہ رو! ٹھیک کہا نا.....؟" عون نے پھر سے شرارت کی تھی۔ ماہ رو مسکرا دی۔ کھل کر' تازگی کے ساتھ۔ کیا وہ وقت قریب آرہا تھا۔ کیا شام ہجر جارہی تھی؟ کیا عون کی بدگمانیاں ختم ہو رہی تھیں۔ کیا اس کا دل ماہ رو کی طرف پلٹ رہا تھا۔

"امی اور بھابھیوں نے اتنا خرچا کروا دیا۔ سالگرہ کے نام پر' ساتھ میں ولیمہ نپٹا دیتے تو کچھ فائدہ بھی ہوتا۔" پھر عون جان بوجھ کر اسے ستانے لگا تھا۔ چڑانے لگا تھا۔ ماہ رو نے بڑے برجستہ انداز میں کہا۔

"منہ دھو رکھو وہ خرچا الگ سے ہوگا۔ تم سستے میں چھوٹنے والے نہیں۔"

اس نے کھنکتی آواز میں مسکراہٹوں کے پھول بکھرائے تھے۔ جنہیں عون عباس نے شگفتہ لبوں سے سمیٹ لیا تھا۔ معاً" باہر سے عاشر کی آواز آئی۔

"بھائی صاحب! رومانس بعد میں فرمائیے گا..... بچہ پارٹی بس کیک پہ دھاوا بولنے ہی والی ہے۔ دیکھنا' تمہارے باہر آتے تک کیک ہضم بھی نہ ہو جائے۔"

عاشر کی آواز پہ عون اور ماہ رو سنبھل کر سیدھے ہوئے تھے پھر مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے۔ یوں کہ بڑے ہال میں جانے تک از خود عون نے ماہ رو کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور ماہ رو کو یوں لگا تھا وہ وصال یار پا گئی ہے اور ماہ رو سرفراز وہ اپنے کھوئے ہوئے عشق کو پا گئی ہے۔ وہ اپنے روٹھے ہوئے عشق کو پا گئی ہے۔

ہر آنکھ نے انہیں رشک بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ لیکن ایک آنکھ نے انہیں نفرت اور حسد بھری نظروں سے دیکھا تھا۔



اور اس ستاروں سے بھری چمکیلی رات میں ابھی وہ عون کو پالینے کی خوشی ٹھیک طرح سے محسوس کر بھی نہیں سکی تھی جب وہ ہو گیا تھا جس کا تصور بھی محال تھا۔ اور ماہ رو سرفراز نے زندگی میں پہلی مرتبہ سرخ آندھی کو اٹھتے دیکھا تھا۔ سرخ آندھی اور اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ بادلوں کو زمین پہ گرجتے دیکھا تھا۔ بدخواہوں کو آگ لگاتے دیکھا تھا۔ بدبختوں کو ہنستے مسکراتے چہروں سے مسکراہٹیں نوچتے دیکھا تھا۔

آفتیں کیسے ٹوٹتی ہیں؟ عذاب کیسے نازل ہوتے ہیں؟ ہاؤس کیسی زندگیوں میں گھستے ہیں۔ اور ریاکار کیسے فتح یاب ہوتے ہیں؟ ماہ رو کو آج پتا چلا تھا۔ اور لوگ بظاہر معاف کر کے بھی معاف نہیں کرتے۔ بدلے لیتے ہیں۔ انتقام پورے کرتے ہیں۔ ماہ رو کو آج علم ہوا تھا۔

یہ وہی ستاروں بھری جگمگاتی شام تھی جس کے اختتام پر' سب مہمانوں کے چلے جانے کے بعد وہ سب لوگ بڑے ہال میں بیٹھے تھے۔ اور ماہ رو کو دیے جانے والے گفٹ کھول کھول کر دیکھ رہے تھے۔ یاسر' عامر اور عاشر ہر گفٹ پہ تبصرے کرتے' اس کی جانچ کرتے' مالیت کا اندازہ لگاتے اور برا سا منہ بنا لیتے تھے۔

"پر ہیڈ کے حساب سے زیادہ کھا گئے سستا تحفہ دے گئے۔"

ان کے ہر کمنٹ پہ ماہ رو ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی تھی۔ پھر ڈپٹ کر کہتی۔

"تحفہ دیکھتے ہیں۔ اس کی قیمت نہیں دیکھتے..... خلوص دیکھتے ہیں۔ باتیں نہیں بناتے۔" عاشر نے فوراً" نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں تم سے ایگری نہیں کرتا۔"

"اور میں بھی....." یاسر نے بھی میدان میں آنا چاہا۔

"اب پوچھو بھلا کیوں؟" عاشر نے بڑی سمجھ داری سے کہا تھا۔ ماہ رو نے پوچھا کیوں۔

"اس لیے کہ اگر ہم برتھ ڈے پہ بلا کر مہمانوں کے سامنے گھانس پھونس رکھ دیتے۔ کدو پکا کر رکھ دیتے۔ کیک کی بجائے حلوے کا پہاڑ بنا کر اوپر موم بتی لگا دیتے..... اور سب مہمانوں کے سامنے مارے خلوص

کے بچھ بچھ جاتا۔ ان کے قدم تک پکڑ لیتے۔ پھر بھی کوئی ہمارے خلوص کو دیکھنا گوارا نہ کرتا۔ لات مار کے چلا جاتا۔ سو سو باتیں الگ کرتا۔ پورے زمانے میں برتھ ڈے پارٹی کا مینیو بھی نشر کرتا۔" عاشر نے اتنے مزاحیہ انداز میں بات مکمل کی تھی کہ پوری محفل زعفران زار بن گئی تھی۔

سب لوگ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئے تھے۔ انہی قہقہوں کے درمیان میں اچانک 'ہاں بالکل اچانک پورب کی طرف سے سرخ آندھی اٹھی تھی۔ غبار' گندگی' غلاظت' خاک ہی خاک۔ مٹی ہی مٹی' ریت ہی ریت۔ وقت زوال ماہ رو سر فراز پہ تن کے کھڑا تھا۔

وہ کون سی گھڑی تھی جب اس کی زندگی میں بھونچال آ گیا۔ وہ بھی وقاص کے توسط سے۔ وہی وقاص جو شازمہ کا پی ایچ ڈی بھانجا تھا۔ نہائیت قابل' معزز' باوقار....

اور ایک وقت میں یہی کوئی سات آٹھ ماہ پہلے اس کا ماہ رو کے لیے پر پوزل آیا تھا۔ جو آیا اور گیا.... ماہ رو کو کبھی بھول کے بھی یاد نہیں آیا تھا۔

اور آج وہی وقاص رات کے بارہ بجے گفٹ پیک اٹھا کر ماہ رو کے گھر چلا آیا۔ ماہ رو کی محبت میں؟ دوستی میں آخر کس رشتے اور کس تعلق کی بنیاد پر؟

ماہ رو تو اسے جانتی تک نہیں تھی۔ اس کا وقاص سے ایسا کوئی تعلق نہیں تھا جس کے توسط سے وہ ماہ رو کو تحفے دیتا۔ بلکہ خود دینے آتا۔

آخر یہ سب کیا تھا؟ وقاص کیوں آیا تھا؟ وقاص کس لیے آیا تھا؟ اور گیٹ تک ہی کیوں آیا تھا؟ اور یہ فریحہ بتا رہی تھی۔ تحفے وقاص دے کر گیا تھا۔ ساتھ ایک خط بھی تھا۔ جو فریحہ نے ہی وصول کیا۔ گفٹ اور خط دونوں چیزیں.... بلکہ خط نما کارڈ۔ خاصا بڑا اور اسٹائلش۔

اور فریحہ نے ماہ رو کو دینے کی بجائے عون کے ہاتھ میں پکڑائی تھیں۔ دونوں چیزیں.... دونوں ناگ' دونوں برزخ.... دونوں رنگ کی آگ۔

اور عون نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے گفٹ کھولنے کی بجائے وہ خط کھول لیا تھا۔ اور پھر جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا۔ محفل کا رنگ بدلتا گیا۔ ہر طرف سکوت چھا گیا۔ ہر طرف سناٹا پھیل گیا۔

اس نے خط یا کارڈ کا متن پڑھا۔ بہت نازک سے ٹشو کے صفحات کا تھا۔ بیچ میں سنہری تتلیاں تھیں۔ جو کارڈ کھولتے ہی پھدک پھدک کر اوپر کو اٹھتیں۔ یہ کارڈ یہاں سے نہیں مل سکتا تھا۔ کافی مہنگا تھا۔

عون نے اپنی سرخ آگ سی نگاہ کارڈ کے متن پہ جما دی تھی۔

"جان عزیز! جنم دن مبارک ہو.... شادی کے بعد پہلی سالگرہ میں ہی ہمیں بھول گئیں.... تم سا ہرجائی کون؟ تم سا بے وفا کون؟ کال اس لیے نہیں کی کہ تم اور تمہارا پرنس ڈسٹرب نہ ہو۔ کہیں لمبی کال مار دوں اور وہ ہم سے جیلس نہ ہو جائے۔ ایک دفعہ تم ہاتھ آجاؤ۔ تو لمبے عرصے کے لیے لے اڑیں گے تمہیں۔ بہت بورنگ اور ڈل ہو چکی تم.... ورلڈ ٹور پہ جائیں گے تو پرانی ماہ رو کو واپس لے آئیں گے۔

باقی کہانی بعد میں سہی.... مے دس ایونٹ برنگ ہیپی نیس ٹو یو.... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...." کارڈ میں میوزک بجنے لگا تھا اور ساتھ فریحہ کی کنٹری بھی۔

"وقاص نے کہا۔ وہ ماہ رو کی زندگی سے جا چکا ہے۔ گو کہ یہ بہت بے وفا نکلی۔ ہرجائی نکلی۔ پلٹ کر حال بھی نہیں پوچھا۔ پھر بھی میں اس کا برتھ ڈے وش نہ کروں یہ کہاں گوارا کر سکتا ہوں۔" اور فریحہ نے اس رات اپنی کمینگی کی ہر انتہا دکھا دی تھی۔ ہر حد سے گزر گئی تھی۔ ہر انتہا کو پہنچ گئی تھی۔

اور اس کے لفظ آگ تھے۔ شرارے تھے۔ شعلے تھے۔ زہریلے ناگ تھے۔ جنہوں نے ماہ رو کو ڈس لیا تھا۔ نیل نیل کر دیا۔ فریحہ نے اور بھی بکواس کی تھی۔ اس نے ایسی ایسی شرم ناک باتیں بتائی جنہیں سن کر اس کے ابا اور تایا تک دنگ رہ گئے تھے۔ فریحہ بولتی رہی۔ آگ برساتی رہی۔ آگ بھڑکاتی رہی۔

اور سب لوگ انگشت بدنداں اسے سن رہے تھے۔ جیسے سن ہو رہے تھے۔ جیسے ان کی زبانیں تالو

سے چپک گئی تھیں۔

پھر فریحہ کی زہر بجھی زبان کو بریک لگ گئے تھے کیونکہ عون عباس کسی شیر کی طرح دھاڑتا ہوا ماہ رو پہ پل پڑا تھا۔ پھر سرخ آسمانوں اور ڈولتے پتواروں نے دیکھا تھا۔ پھر سسک پڑتی خزاؤں نے دیکھا تھا۔ ماہ رو سرفراز کا چہرہ عون عباس کی وحشت سے دوسری مرتبہ داغ دار ہو گیا تھا۔ خونم خون ہو گیا تھا۔

وہ لہرا کر زمین پر گری تھی... اور وہ زمین پہ نہیں گری تھی۔ وہ پاتال میں جا گری تھی اور وہ کسی وحشی درندے کی طرح چیخ رہا تھا۔

"تمہاری ذات میں اتنے کانٹے ہیں کہ کوئی تمہارے قریب کیسے آئے؟ اور تم ناگن کی ایسی قسم میں سے ہو جس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا۔ دوسرا سانس بھی نہیں لیتا۔

تم نالی کا کیچڑ تھیں... تم گند تھیں۔ تمہیں میرے ماں باپ نے سر آنکھوں پہ بٹھالیا۔ تم جیسے فاحشہ کو عزت دی۔ تمہیں محبت دی۔ تم غلیظ عورت! نالی کا گند ہو۔ غلاظت ہو۔

تم جیسی ذلیل عورتوں کو تمہاری اعلا سوسائٹی کے ریپر نے چھپا رکھا ہے۔ تم جیسی عورت ہمارے جیسے گھرانوں میں خدانخواستہ ہوتی تو اب تک قبر میں اتار دی جاتی۔

وہ تمہارا باپ تھا جس نے تمہاری ہر "بدکرداری" پہ پردہ ڈال رکھا تھا۔ اور یہ میں ہوں عون عباس! اپنے اس پورے خاندان کے سامنے اپنی زندگی سے نکال رہا ہوں۔ دفع کر رہا ہوں... کیونکہ عون عباس سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن بدکردار عورت کو ایک پل اپنی زندگی میں نہیں رکھ سکتا... ابھی اور اسی وقت اپنے عاشق صادق کے پاس دفع ہو جاؤ... چلی جاؤ۔ نکل جاؤ... میں تمہیں دھتکار رہا ہوں۔ دھتکار رہا ہوں دھتکار رہا ہوں۔" عون نے بالوں سے پکڑ کر ماہ رو کو گھسیٹا اور ایک زوردار دھکا خارجی دروازے تک دیا۔

وہ لڑکھڑاتی ہوئی دہلیز کے بیچ گھٹنوں کے بل گری تھی۔ اس کا ماتھا پھٹ گیا۔ اور لمحوں میں خون آلود ہو گیا تھا۔

ماہ رو نے پھٹتے سر کی ساری اذیت کو بھلا کر اک نفرت بھری نگاہ اس پورے ماحول پہ ڈالی تھی اور پھر اتنی تذلیل 'بے عزتی' نفرت' دھتکار کے بعد بھی اپنی جگہ پہ اٹھی اور تن کر کھڑی ہو گئی۔ ہر ایک کی نگاہ میں پھر سے تعجب اور خوف اُمڈ آیا تھا۔

"بس یا کچھ اور؟" ماہ رو نے اپنے بکھرے حواسوں کو یکجا کر کے بڑے ضبط اور بڑے تحمل سے کہا تھا۔ پھر عون کی شعلہ اگلتی نگاہوں میں دیکھتی پھٹ پڑی تھی۔

"وقاص کون تھا؟ کیا ہے 'میں اسے نہیں جانتی اور صفائی بھی نہیں دوں گی۔ تم کیا ہو 'تم کیا تھے میں بس تمہیں جانتی تھی۔ میں بس تمہیں جانتی ہوں۔" ماہ رو لڑکھڑا کر آگے بڑھی گفٹ اور زمین پہ پڑا کارڈ اٹھایا۔

"تم نے ایک کارڈ کی مبہم تحریر پڑھ کر مجھ پہ الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ تم نے فریحہ کی ایک ایک بکواس پہ یقین کر لیا۔ یہ تمہارے گھر کی پاک باز عورت ہے۔ معصوم 'سادہ' بے گناہ...

میں بازار کی عورت ہوں۔ فاحشہ 'عیاش 'مکار' بدنام 'بدکردار۔

تم نے اپنی کزن 'اپنے گھر کی شریف عورت کی ہر بات کو سچ تسلیم کر لیا۔ اس لیے کہ فریحہ سچی ہے۔ تم سب کی نظر میں سچی ہے۔ میں بدکردار ہوں... فاحشہ ہوں 'مکار ہوں 'دھوکے باز ہوں تو میں جھوٹی ہوئی۔

تم نے اس کارڈ کی تحریر پڑھی۔ تم نے اس کے فٹ نوٹ پہ لکھا نام نہیں پڑھا۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ نہیں پڑھا۔ اگر پڑھ لیتے تو مجھے اندازہ کیسے ہو پاتا کہ تمہاری نظر میں میری اوقات کیا ہے؟

تمہاری سوچ ایسی سطحی اور چھوٹی ہو گی۔ مجھے گمان تک نہیں تھا۔ خیال تک نہیں تھا۔

اور وقاص کون تھا؟ یہ فریحہ کو بتانے کی جھوٹی کہانی پاس سے بنا کر سنانے کی ضرورت نہیں۔" ماہ رو کے دھیمے سلگتے الفاظ پہ حاضرین محفل کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ حتیٰ کہ عون عباس بھی دم بخود رہ گیا تھا۔ جبکہ فریحہ کی امی اپنی بیٹی کا نام سن کر چیخ پڑی تھیں۔

"اے لڑکی! اپنی گندی زبان سے میری بیٹی کا نام

مت لے۔" ان کی غراہٹ پہ ماہ رو سابقہ تحمل بھرے لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کی بیٹی بے شک مجھ پہ گند گراتی رہے۔ یہ کیسا انصاف ہے؟ اور شاید یہاں ایسا ہی انصاف ہے۔ لیکن مجھے فریحہ سے کوئی شکوہ نہیں۔۔۔ کوئی گلہ نہیں۔۔۔ اس نے تو ادلے کا بدلہ کرنا تھا۔ پورا پورا بدلہ لینا تھا۔ اپنی ذلت کا انتقام لینا تھا۔ سو اس کا بدلہ تو پورا ہوا۔

بقول فریحہ کے میں نے اس کو عون کی زندگی سے نکالا تھا۔ آج اس نے مجھے بھی نکلوا دیا۔ بہت اچھا کیا۔۔۔ اپنا انتقام پورا کر لیا۔

جہاں تک اس کارڈ کا تعلق ہے تو یہ کارڈ میری ممی شازمہ نے بھیجا ہے۔۔۔ اور یہ گفٹ جس کے ریپر پہ کوریئر کی مہر، ٹکٹ اور سگنیچر ہیں۔۔۔ یہ غیر ملکی ٹکٹ اور مہر بتاتی ہے کہ یہ گفٹ اور کارڈ کہاں سے آیا۔ میری ممی اور ڈیڈی میری شادی کے بعد پہلی برتھ ڈے میں شریک نہیں ہو سکے۔ لیکن انہوں نے مجھے ابراڈ جا کر بھی بھلایا نہیں۔۔۔ یقیناً" یہ گفٹ وقاص کے ایڈریس پہ بھیجا گیا تھا۔ اور وقاص اس امانت کو یہاں مجھ تک پہنچا گیا۔ اگر تسلی کرنی ہے تو فون اٹھائیں اور کال ملائیں۔

اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے وقاص کی شادی کو سات ماہ ہو چکے ہیں۔ وہ ایک شریف اور معزز انسان ہے۔۔۔ گو کہ وہ ایک غیر مناسب وقت میں یہاں آیا۔ لیکن اسے یقیناً" میری ممی نے مجبور کیا ہو گا کہ رات بارہ سے پہلے مجھے گفٹ دے کر جائے۔۔۔ میری ممی ان نزاکتوں کو سمجھتی نہیں۔

اور یہ گفٹ پہ لکھا ایڈریس، مہر ٹکٹ آپ کی تسلی کے لیے ہیں۔۔۔ اور کارڈ پہ فٹ نوٹ لکھا بھی دیکھ لیں۔ شازمہ سرفراز لکھا صاف نظر آ رہا ہے۔۔۔ اندھوں کو بھی نظر آ رہا ہے اور جو فریحہ نے کہا وہ سب جھوٹ، بکواس اور انتقام ہے۔ اور باقی مجھے اس گھر سے یا گھر کے افراد سے کوئی گلہ نہیں۔۔۔ بس اتنا ضرور تلخ ترین مرحلوں سے گزرنے کے بعد اندازہ ہو چکا ہے کہ کسی کی زندگی میں واقعی زبردستی نہیں گھستے۔

اور کبھی محبت کے حصول کی دعا بھی نہیں کرتے۔ اگر کچھ طلب کرنا ہو تو عزت اور اعتماد طلب کرنا چاہیے۔

ان دو چیزوں کے سامنے محبت بہت ہیچ ہے اور محبت بہت ہیچ ہے۔

مجھے ماہ رو سرفراز کو آج اندازہ ہوا ہے کہ محبت کس قدر ذلیل کرتی خوار کرتی۔ رسوا کرتی اور بار بار دھتکارتی ہے۔" ماہ رو نے اپنے پھٹے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر ابلتے خون کو روکنے کی ناکام سی سعی کی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحے کارڈ، گفٹ ہوا میں اچھالتی مڑی اور الٹے قدموں اونچی آواز میں روتی ہوئی رحمان منزل سے دور بہت دور چلی گئی تھی۔ یوں کہ ماہ رو کو آوازیں، دیتے پیچھے بھاگتے، پکارتے وہ سب لوگ التجائیں کرتے خالی ہاتھ رہ گئے تھے۔ بالکل خالی ہاتھ۔

اور وہ ماہ رو سرفراز جو بالکل اچانک تین ماہ پہلے ان کی زندگیوں میں کسی ناگہانی آفت کی طرح آئی تھی۔ پھر کسی طوفان کی طرح نہیں سبک خرام ہوا کی طرح چپکے سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی۔ اور شاید واقعی ہی ہمیشہ کے لیے۔



ماہ رو کی زندگی میں طوفان آیا اور بہت ساری تباہیاں مچاتا نکل گیا۔

وہ واپس سرفراز ولا آ چکی تھی۔ اور اس کے آتے ہی ممی، ڈیڈی بھی افتاں خیزاں پہلی فلائٹ سے پاکستان پہنچ چکے تھے۔ ماہم بھی حواس باختہ آ گئی۔ وہ دبئی فیشن شو کے لیے گئی تھی ماہ رو نے اسے بھی ارجنٹ بلا لیا وہ بڑی اداس ویران اور تنہا تھی اس کے دل پہ بہت بوجھ تھا اور وہ کسی اپنے کے کندھے پہ سر رکھ کر بہت سا رونا چاہتی تھی۔

پھر ماہم آ گئی تو ماہ رو کی جلتی روح کو بھی سکون آ گیا۔ پھر جو ماہ رو نے رو رو کر اپنے دل کی حکایت پہلے شازمہ اور ڈیڈی کو سنائی پھر ماہم سے دل کے سارے دکھ بیان کیے۔

ماہم چپ چاپ سنتی رہی تھی۔ اس نے ماہ رو کو ٹوکا نہیں۔ دل کھول کر رونے دیا... اس ساری کہانی بلکہ لحہ بھر کی غلط فہمی میں بار بار وہ ایک ہی بات دہراتی تھی۔

"ساری دنیا جو بھی کہہ لیتی... عون عباس مجھے کریکٹر لیس نہ کہتا۔ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے اس نے کیسے مجھ پہ اتنے گھٹیا الزام لگائے تھے؟ اس کے ضمیر نے کیسے گوارا کیا؟" وہ تڑپ تڑپ کر روتی تھی۔ اور پچھلے ایک ہفتے سے رو رہی تھی۔ جب اس کا صدمہ کچھ کم ہوا، غصہ تھوڑا ہلکا ہوا۔ اندر کا سارا غبار نکل گیا تب ماہم نے شازمہ کے کہنے پہ آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے اسے سمجھانا شروع کیا تھا۔

"جس اذیت میں تم مبتلا ہو... سیم اسی تکلیف سے عون بھی گزر رہا ہے۔ اس کے گھر والے بھی گزر رہے ہیں۔ اور یہ تو تم خود بھی کہتی ہو۔ عون کے گھر والے تمہیں بہت چاہتے ہیں۔ عون کی امی دس مرتبہ کالز کر چکی ہیں اور تین مرتبہ تمہیں لینے آچکی ہوں۔ جو غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ اسی وقت ختم بھی ہوگئی۔ عون کو وقتی غصہ آیا تھا۔ کسی بھی انسان کو ایسی پچویشن میں غصہ آسکتا ہے۔ یہ فطری عمل تھا ماہ رو! اب وہ بے چارا پچھتا رہا ہے۔ ایک ہزار ایک مرتبہ..." ماہم بڑے پیار، بڑی نرمی اور ملائمت سے اسے سمجھا رہی تھی جب ماہ رو نے سوں سوں کرتے ہوئے بہت تنگ کر کہا۔

"عون کا نام مت لو۔ اس کی وکالت نہ کرو۔ مجھے اس کا نام بھی نہیں سننا۔" وہ غصے سے چیخ گئی تھی۔ برہم ہوگئی تھی۔ البتہ عون کی امی کا سن کر تھوڑا نرم بھی پڑی تھی۔ جو بھی تھا۔ عون کی امی اور اس کے گھر والے عون جیسے ہرگز نہیں تھے۔

"ٹھیک ہے نہیں لیتی... اگر وہ خود آجائے تو؟؟" ماہم نے ڈرتے ڈرتے پوچھنے کی جسارت کی تھی۔

"تو میں اسے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گی..." ماہ رو نے آگ بگولا ہو کر کہا۔ "یا اسے قتل کر دوں گی۔ ایسوں کی ایسی ہی سزا ہونی چاہیے۔"

"وہ پھر وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہونے آگیا ہے ماہ رو! اگر قتل کا ارادہ بدل جائے تو مجھے بتا دینا۔ تمہاری توہین کا بدلہ لینے کے لیے جوس میں پوائزن ملا دوں گی۔ تاکہ اسے سزا تو مل سکے۔" ماہم نے بڑی سنجیدگی اور راز داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماہ رو کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں پہلے تعجب ابھرا اور پھر غصہ بھر گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے! بہت کمینی ہو تم۔" ماہ رو دہل گئی تھی پھر ماہم کو قہقہہ لگا کر لوٹ پوٹ ہوتے دیکھا اور خود بھی مسکرا دی۔ یہ اور بات ہے کہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے منہ کے آگے کشن رکھ لیا تھا۔

"غصہ تھوک دو ماہم کی جان! اور یہ غصہ ہے بھی اوپر اوپر سے۔ بہت بن لیا تم نے۔ اب بس کرو۔ اور ان ماں بیٹے کی فریاد سن لو۔ وہ نیچے سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔ اور پچھلے ایک ہفتے سے بے چارے ہر روز تمہیں منانے کے لیے آتے ہیں..." اور ابھی ماہم کے اگلے الفاظ منہ ہی میں تھے جب شازمہ کسی کا بازو پکڑ کر اندر لے آئی تھی۔ اور وہ کوئی ایسا تھا جسے دیکھ کر ماہ رو کی روح فنا ہوگئی تھی۔ وہ بیٹھے سے ایک دم کھڑی ہوگئی۔

"ہماری ماہ رو کو منا سکتے ہو تو منا لو۔ بس یہ چیلنج اچیو کرو۔ باقی کا معاملہ ہم پہ چھوڑو۔" شازمہ نے ماہم کو اشارہ کیا تھا پھر وہ دونوں مسکراہٹ دبا کر روم سے باہر نکل گئی تھیں۔

وہ دونوں روم میں تنہا رہ گئے تھے۔ آج میوزک بھی بند تھا۔ روم خاموش تھا۔ البتہ کمرے کے در و دیوار جاگ رہے تھے۔ بول رہے تھے۔ گنگنا رہے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے والی اداسی اچانک ختم ہوگئی تھی۔ وہ خاموشی سے کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ پھول، پردے، بیڈ، میوزک سسٹم، اور دیوار پہ لگی اپنی ہی انلارج تصویر کو، جانے کب یہ فوٹو ماہ رو اڑا کر لے آئی وہ کچھ متحیر سا اپنی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ پر اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ماہ رو کو دیکھا اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ وہ پہلی والی ماہ رو نہیں تھی۔ ایک ہفتے میں بہت

ویک ہو چکی تھی۔ چہرہ مرجھا گیا تھا۔ آنکھیں بھی بجھی بجھی تھیں۔

آخر وہ اتنے بڑے صدمے سے گزری تھی اور وہ بھی عون کی وجہ سے۔

اسے اپنی جذباتیت پہ شدید غصہ آ گیا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ خود کو ملامت کرتا اپنے آپ پہ غصہ ہی تو کر رہا تھا۔ دراصل وہ شدید قسم کا جذباتی اور فوراً" رد عمل ظاہر کرنے والا بندہ تھا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی اور عادتیں چھوٹ ہی جاتی ہیں۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ وہ اپنی اس عادت کو بدل لے گا۔

اور اب ماہ رو کی طرف یک ٹک دیکھتا عون سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ گفتگو کو کہاں سے شروع کرے۔ تمہید کس طرح سے باندھے؟ اور ماہ رو کی بدگمانی، غصے، دکھ اور اذیت کو ختم کیسے کرے؟

بہت دیر کی بچار کے بعد جب ماہ رو کو اس کی نگاہوں سے الجھن ہونے لگی تھی تب عون کو بالآخر بولنا ہی پڑا تھا... لیکن اس سے بھی پہلے وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا ماہ رو کے قریب آیا تھا۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل ماہ رو سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

ماہ رو جو غصے میں رخ بدل چکی تھی اور اٹھنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ عون کو اتنا قریب بیٹھا دیکھ کر قدرے بے بس ہو گئی۔ تاہم اس کی سماعتیں عون کی آواز کا لاشعوری طور پہ انتظار کر رہی تھیں۔ جو بھی تھا۔ اس ستم گر سے عشق تو تھا ہی۔ ہر اچھائی اور برائی سے مبرا۔ اس نے عون سے محبت کی تھی۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں سے نہیں۔

وہ اب بھی عون کو ہی چاہتی تھی۔ اس کی خامیوں اور خوبیوں کو نہیں۔

کافی دیر ماحول پہ خاموشی چھائی رہی تھی۔ جسے بالآخر عون کی آواز نے توڑ دیا تھا۔

"ماہ رو...!" وہ بولا تو جیسے انگ انگ بول اٹھا تھا۔ پورا ماحول بول اٹھا تھا۔ بیڈ روم کی ایک ایک چیز بول اٹھی تھی۔

"بہت لمبی تمہید میں نہیں پڑوں گا۔ حساب دان ہوں۔ حسابی بات کروں گا۔ مختصر مگر جامع۔ گو کہ سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ بات کہاں سے شروع کروں؟ تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں یا تمہیں تمہارے بارے میں بتاؤں؟ چلو، تم آج مجھے بغیر ٹوکے سنتی رہو۔ میں بہت لمبی کہانی نہیں سناؤں گا۔

میں عون عباس، بہت جذباتی آدمی ہوں۔ جب بچہ تھا تب بھی جذباتی تھا۔ جب بڑا ہوا تب بھی جذباتی رہا۔ مجھے ہر بات پہ فوری رد عمل دینے کی عادت تھی۔ میں غور و فکر عموماً" بعد میں کرتا ہوں۔

میرے اپنے باپ سے اختلاف اپنی جگہ تھے۔ اور یہ بہت شروع کے اختلاف تھے۔ یقیناً" تمہیں امی نے بتا دیا ہو گا۔ ابو کس طرح سے میرے پر شوق کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے تھے۔ مجھے فوج میں نہ جانے دیا۔ وکالت نہ پڑھنے دی۔ مجھے جاب نہ کرنے دی۔ ابراڈ نہ جانے دیا... اور ابو بے شک مجھے نافرمان کہتے تھے پھر بھی ہر اختلاف کے بعد میں مانتا ہر بات ابو کی تھا۔ یہ ساری باتیں، بہت پہلے کی تھیں۔ اصل جو جھگڑے کی شروعات ہوئی تھی وہ تمہیں امی نے نہیں بتائی۔ جب امی کو لگا، میں شادی کی عمر کو پہنچ چکا ہوں تو امی نے چپکے ہی چپکے فریحہ کے لیے چاچی کو میرا نام دے کر راضی کر لیا تھا۔ چاچی کی بھی خواہش تھی، میں ان کا داماد بنوں۔

کیونکہ ابو سے چند اختلافات کے علاوہ میں بڑا فرمانبردار قسم کا بندہ تھا۔ امی نے جب مجھ سے پوچھا تو میں نے ان کی پسند کو ایکسیپٹ کر لیا۔ تب میرے ذہن میں نہ خواب تھا نہ کوئی خیال تھا۔ لیکن جب ابو کو پتا چلا تو وہ بہت برہم ہوئے... ان کے نزدیک میں ضدی، ہٹ دھرم، من مانی کرنے والا اور کاروبار سے بے زار رہنے والا بندہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ فریحہ کے لیے کم از کم مجھے نہ منتخب کیا جائے۔

"کیونکہ فریحہ خاصی سمجھ دار، سنجیدہ اور مدبر قسم کی لڑکی تھی۔" وہ لمحہ بھر کے لیے رکا تھا "اور عاشر، فریحہ کے متعلق سوچنے لگا تھا۔"

وہی عاشر جو شادی کے نام سے بدکتا تھا۔ لیکن فریحہ کے لیے اس نے حامی بھر لی تھی۔ اور فریحہ نے کیا کیا؟

اپنے ہاتھوں عاشر کو بھی کھو دیا۔ جو کچھ فریحہ نے کیا۔ جو کچھ اچانک ہوا تھا۔۔۔ یا جس تکلیف سے ماہ رو گزر کے یہ گھر چھوڑ گئی تھی یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

ہر کوئی فریحہ کی سازش اور بدنیتی کو جان گیا تھا۔ اور یہ فریحہ کے لیے مزید بڑا دھچکا تھا۔ کہا جاتا ہے نا۔۔۔ انسان زمین سے گرا ہوا تو کھڑا ہو سکتا ہے لیکن کسی کی نظر سے گر کر دوبارہ کھڑا ہونا محال ہے۔

اور فریحہ ان دنوں ایسے ہی فیز سے گزر رہی تھی۔

نہ صرف عون کی ہمدردیوں کے رخ بدل گئے تھے بلکہ تایا تائی کی شفقتوں کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ جہاں تک عاشر کا تعلق تھا۔ تو فریحہ کی سازش کھل جانے کے بعد عاشر بھی اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔ وہی عاشر جو درپردہ فریحہ کو جانے کب سے پسند کرتا آرہا تھا۔

لیکن جب فریحہ عون سے منسوب ہو گئی تھی تب عاشر خود بخود پیچھے ہٹ گیا تھا۔ کیونکہ اسے اخلاقی قدروں کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ پرائی امانتوں کی خواہش کیوں رکھتا۔

ماہ رو کی سالگرہ سے پہلے عاشر نے اپنی امی سے ڈھکے چھپے لفظوں میں فریحہ کے متعلق بات کی تو وہ دل سے راضی ہو گئی تھیں۔ انہیں فریحہ شروع سے پسند تھی۔

جب عون والا مسئلہ الجھ گیا تب بھی وہ فریحہ کو بہو بنانے کی خواہش رکھتی تھیں۔ کیونکہ عاشر فریحہ کو بہت عرصے سے پسند کرتا آرہا تھا۔ لیکن اب حالات مختلف تھے۔

عاشر نے خود فریحہ سے رشتہ نہ جوڑنے کی بات بڑوں تک پہنچا دی تھی۔

فریحہ نے سنا تو ایک اور دھچکے کے زیر اثر پچھتاووں میں گھر گئی۔

عاشر کبھی بھی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا جو نیت کی بری تھی۔ جس کی نیت میں کھوٹ تھی اور جس کے شر سے اس کے بھائی کا گھر اجڑنے لگا تھا۔ رشتوں کی بنیاد خلوص پہ ہوتی ہے۔ نیت خالص نہ ہو تو رشتے بھی خالص نہیں رہتے' کیا خبر' کچھ وقت گزرتا تو عاشر اپنے دل کو دوبارہ فریحہ کی طرف موڑ لیتا۔ لیکن اس کے لیے بہت وقت درکار تھا۔۔۔ اور فریحہ کو واپس اپنے حقیقی خالص وقار کو بحال کرنے میں بڑا وقت لگنا تھا۔ بڑا لمبا سفر کرنا تھا۔

اور اس وقت ماہ رو کو ایک ایک حکایت بتاتا وہ چونک گیا تھا۔ پھر اس نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ اب وہ ماہ رو کو فریحہ اور اپنی دوستی کے متعلق بتا رہا تھا۔

"گو کہ فریحہ سے میری دوستی بہت تھی پھر بھی میں نے اس کے ساتھ شادی کا کبھی سوچا نہیں تھا۔

اور ابو نے بھی خاصی مخالفت کی۔ لیکن پھر امی کے سامنے مان گئے۔ ورنہ وہ فریحہ کے لیے عاشر کو ہی چاہتے تھے۔ جب ابو کی مخالفت کا مجھے پتا چلا تب مجھے بہت دکھ ہوا کہ ابو کی نگاہ میں میری اتنی سی بھی وقعت نہیں۔ مجھے فوری رد عمل دینے کی عادت تھی۔ سو میں ابو کے سامنے فریحہ سے شادی کے لیے انکار کر آیا۔ میں نے ان سے کہا" آپ فریحہ کی عاشر کے ساتھ کر دیں۔۔۔ میرا انکار ابو کو سخت توہین لگا تھا۔

تب ابو کی میرے ساتھ خوب لڑائی ہو گئی تھی۔ انہوں نے مجھے کمینہ' باغی اور خود غرض تک کہا۔ اور بھی جانے کیا کیا۔ پھر ابو کو یہ بات کبھی بھولی بھی نہیں تھی۔ وہ اکثر مجھے جتاتے تھے اور طعنے دیتے تھے۔

خیر' رشتہ تو طے ہو گیا۔ لیکن پھر ہوا کیا؟

قصہ مختصر ایک دھوپ بھری دوپہر میں ایک حسین و جمیل سرپھری لڑکی نے ایک اچھے بھلے جذباتی لڑکے کو اپنا اسیر کر لیا تھا۔ بھلا کیسے؟

کوئی بھی بات پرانی نہیں۔ اور نہ مجھے بھولی ہے۔ نہ میں بھول سکتا ہوں۔

تم فریحہ کے ساتھ رحمان پلازہ آئی تھی اور پہلی مرتبہ آئی تھی۔ جب تم انٹرنس سے اندر آرہی تھی تب۔۔۔ ہاں' واقعی تب میرے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی ماہ رو! تم مانو یا نہ مانو۔۔۔ اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ تم فریحہ کے ساتھ آئی ہو۔۔۔ میں تو اپنے تئیں

فریحہ کو جھڑکنے کے لیے پیچھے آیا اور پھر خود ہی حیران رہ گیا۔

میرے پیچھے تم کھڑی تھی۔ اور تم مجھے دیکھ رہی تھیں۔ اور میں تمہیں سامنے مرر میں دیکھ رہا تھا۔ اور تب تمہاری آنکھوں میں پگھلتا احساس بن کہے پہلی نگاہ میں مجھ تک پہنچ چکا تھا۔ اور میرے دل کی دھڑکنوں نے یقیناً" تم تک میرے اندر کی بدلتی لے اور سر پہنچا دیے تھے۔

تب ہی دھڑکنوں کا ایسا تال میل چلا کہ تمہیں مجھ سے لافانی پیار ہو گیا۔ اب آگے تمہیں کیا بتاؤں؟ اگلی کہانی سے تم واقف ہو۔ کیونکہ آگے جو بھی ہوا تمہاری کوششوں' سچی لگن یا سچی محبت کی وجہ سے ہوا تھا۔

لیکن تب بھی کچھ چیزیں بہت مسنگ تھیں۔ کیا کیا؟

سب سے پہلے تو ذہن اس اچانک پوری گیم کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ کیسے؟ کس طرح؟ اور کیونکر یہ ممکن ہوا؟ میرا تمہارے گھر جا کر تمہیں ہراساں کرنا بہانہ بن گیا تھا تم اس صورت حال کو سہہ نہ سکیں اور ہسپتال پہنچ گئیں۔ باقی کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ ہمارا نکاح کیونکر ممکن ہوا؟

اس حقیقت سے تم بھی ناواقف تھیں اور میں بھی۔

ابو بھی شاید ہمیں کبھی نہ بتاتے.... لیکن کل رات نہیں بلکہ تمہاری برتھ ڈے والی رات ہی اچانک شازمہ آنٹی کی کال آگئی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھیں کہ وقاص گفٹ اور کارڈ دے گیا۔ اور تب امی نے آنٹی کو اس وقت کی ساری بھیانک سچویشن کا لفظ لفظ سنا دیا۔ پھر آنٹی پہ کیا گزری؟ لفظوں میں بتانا ممکن نہیں.... انہوں نے میری جو دھلائی کی وہ ایک طرف' پھر میرے ہی مجبور کرنے پہ وہ فوراً" پاکستان آگئیں۔

اور تب آنٹی نے ہمارے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کچھ انکشاف کیے تھے جن کا متن کچھ یوں تھا۔

"میں ماہ رو کی اسٹیپ مدر ہوں۔ لوگ کہتے ہی ہوں گے زبان کی کچھ تیز ہوں۔ لیکن دل کی بری نہیں۔ میں نے ماہ رو کا کبھی برا نہیں سوچا۔ اسے اپنی بیٹی ہی سمجھا۔ اور جب اس نے اپنا حال دل مجھ سے شیئر کیا تو میں نے اس سے پرامس کر لیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا۔ ماہ رو یک طرفہ محبت کا شکار ہے۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ مجھے ماہ رو کے پیار تک پہنچنے کے لیے کچھ تو کرنا تھا۔ تب میں نے فریحہ سے بات بھی کی۔ عون کے بارے میں پوچھا لیکن اس نے مجھے نہیں بتایا عون کی اس سے شادی ہو رہی ہے۔ ہم قطعاً" انجان تھے۔ بعد میں عون کا ہمارے گھر آکر ماہ رو کو ڈی گریڈ کرنا.... ماہ رو کا ہوسپٹلائزڈ ہونا۔ سب کچھ بہت تکلیف دہ تھا۔ مجھے تب بہت غصہ آیا۔ اور پھر میں رحمان پلازہ پہنچ گئی۔ وہاں میں نے بہت تماشا لگایا۔ غصہ کیا بے عزتی کی۔ ہنگامہ کیا۔ عون پہ غصے کی شدت میں الزامات لگائے۔ اور پھر یوں ہوا کہ بھائی صاحب میری دھمکیوں پہ سرینڈر کر کے میرے ساتھ ہی ماہ رو کو دیکھنے ہسپتال پہنچ گئے۔ تب ماہ رو کی حالت دیکھ کر اور میرے رونے دھونے واویلا کرنے کے بعد انہوں نے مجھ سے ایک گھنٹے کا وقت مانگا۔ تنہائی میں بہت دیر سوچتے رہے۔ پھر فون کر کے سب کو اکٹھا کر لیا۔ اور یوں نکاح ہو گیا۔

بھائی صاحب نے اپنی بے عزتی' رسوائی اور ذلت کے خوف سے یہ قدم اگر اٹھایا بھی تھا۔ پھر بھی نبھا دیا۔ ہماری ماہ رو کو کبھی بھی جتایا نہیں۔ اسے دکھ نہیں دیا۔ خاندانی شرافت اور نجابت اسی کو کہتے ہیں اور شاید اسی لیے سرفراز اپنی بیٹی کو مڈل فیملی میں دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہاں قدر بھی ہوتی ہے اور قدردان بھی.... بعد میں فریحہ والا معاملہ پتا چلا تو ضمیر نے خاصا اپ سیٹ رکھا تھا۔ لیکن یقین مانیے ہم انجان تھے۔ قطعی انجان .... ورنہ ایسا کبھی نہ ہوتا.... اور اب میں پچھلی ہر چیز کے لیے معذرت کرنے آئی ہوں۔ میں نے ماہ رو کے لیے اچھا کرنے کی کوشش میں اپنا ہلکا سا کردار ادا کیا تھا اور اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کی۔ غلط یا صحیح.... اس کا مجھے پتا نہیں تھا.... اور اس طرح میرے ذہن کی بھی ہر گرہ کھلتی چلی گئی تھی۔ مجھے تمہاری محبت پہ یقین بھی

تھا اور میرا ایمان بھی۔۔۔ لیکن فریحہ والا گلٹ یا ابو کی طرف سے ملنے والے طعنے' ذلت ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ لوگوں کی تو مجھے کبھی پروا نہیں رہی تھی۔ جو مرضی بولتے رہیں۔

نہ میں کٹھور تھا نہ سنگ دل۔ نہ بشری تقاضوں سے مبرا۔ تمہاری محبت' التفات' میری خاطر خود کو بدلنا اور میرے گھر والوں سے گھلنا ملنا مجھے ہر چیز اپنی طرف کھینچتی تھی لیکن وہی فریحہ بیچ میں۔۔۔ ایک گلٹ کی طرح۔۔۔ قصہ مختصر جو کچھ بھی فریحہ نے کیا۔ تم کو ڈی گریڈ کرتی رہی۔ ٹارچر کرتی رہی۔۔۔ تم پر الزامات لگائے اور مجھے بھڑکایا اور بلاوجہ اپنا انتقام پورا کرتی رہی۔۔۔ کل رات اس نے سارے اعترافات کیے اور مجھ سے معافی بھی مانگی۔ لیکن میں نے اسے بہانگ دہل کہہ دیا ہے اگر ماہ رو معاف کرے گی تو میں معاف کروں گا۔ ورنہ ہرگز نہیں اور اب میں خود بھی تم سے اپنے ہر برے رویے کی معافی مانگتا ہوں۔ کیا تم مجھے معاف کرو گی؟" عون نے اس کے گھٹنوں پہ دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر منت بھرے لہجے میں کہا تو ماہ رو جو ایک ٹرانس میں اسے سن رہی تھی ایک دم چونک سی گئی تھی۔ پھر جیسے اپنے حواسوں میں آگئی۔ گو کہ دل کی حالت بہت مختلف تھی لیکن اس ستم گر کو کچھ سزا تو دینا چاہیے تھی۔ سزا تو کچھ بنتی ہی تھی۔ جتنا اس نے رلایا تھا۔ تھوڑا خود بھی تڑپتا۔

"کیا کان پکڑ لوں ماہ رو!" عون نے پھر سے منت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ماہ رو کی خاموشی اسے ہولا رہی تھی۔

"پکڑ لو۔۔۔" بالآخر ماہ رو نے ہونٹوں کے قفل کھول ہی دیے تھے اور ساتھ دل کے بھی۔ وہ آگیا تھا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ اس کی بدگمانیاں دور ہو گئی تھیں۔ بس یہی کافی اور ضروری تھا۔ باقی ہر بات' ہر دلیل ہر وضاحت بے معنی تھی۔ وہ نہ بھی وضاحتیں دیتا تب بھی ماہ رو کو شازمہ نے بھی ہر بات بتا دی تھی۔ ہر وہ بات جس سے ماہ رو بے خبر تھی۔ جو ہوا تھا ایسے ہی ہونا تھا۔ یوں ہی ہونا تھا۔ ایسے ہی تقدیر میں لکھا تھا۔

ان دونوں نے ایک دوسرے سے ایسے ہی ملنا تھا۔ بیچ میں جو بھی موڑ' تلخیاں' رکاوٹیں آئی تھیں انہوں نے آنا ہی تھا۔ تو پھر وضاحتیں کیسی؟ بدگمانیاں کیسی؟ رنجشیں کیسی؟ ناراضیاں کیسی؟

اور اب وہ ماہ رو کے کان پکڑ کر معافی مانگ رہا تھا۔ اور ماہ رو جیسے چیخ پڑی تھی اور اس چیخ میں بے ساختگی تھی۔

"بدھو! میرے نہیں اپنے پکڑو۔" اس نے اپنا سر پیٹ کر کہا۔

"کیوں؟ میرے اور تمہارے کوئی دو ہیں۔۔۔ ہماری سب چیزیں اکٹھی ہیں' سانجھی ہیں۔۔۔ میرے کان تمہارے کان۔" وہ معصومیت سے بولتا جان بوجھ کر ماہ رو کو چھیڑ رہا تھا۔ ستا رہا تھا۔ کیونکہ وہ جان گیا تھا بدگمانی کے بادل چھٹ گئے تھے۔

"اب بتاؤ کرو گی معاف!" عون نے اس کے کان ذرا زور سے دبائے تھے۔ ماہ رو تکلیف سے کراہی تھی۔

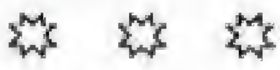
"کیا زبردستی معافی لو گے؟" اس نے تنک کر پوچھا۔ اور یہ تنتناہٹ صاف مصنوعی لگتی تھی۔

"زبردستی کرنے والوں کے ساتھ زبردستی کی جاتی ہے۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا لیے.... ماہ رو کے عین سامنے.... ایک یقین کے ساتھ۔ ایک کامل ایقان کے ساتھ۔ گویا اس کا دل کہتا تھا۔ ماہ رو اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو نہیں جھٹکے گی۔ جس طرح اس نے ماہ رو کو دھتکارا تھا وہ کبھی بھی اسے نہیں دھتکارے گی۔

"آؤ کہ پچھلے ہر غم، کرب اور بے ترتیب چیزوں کو بھلا کر نئی زندگی کا آغاز کریں۔" اس نے روشن چمکتی آنکھوں سے ماہ رو کی طرف اسی یقین کامل سے دیکھا تھا جس کی طاقت عون عباس کو بتا رہی تھی کہ جیت ہمیشہ خالص جذبوں کی ہوتی ہے اور محبت ہر صورت میں اپنا آپ منوا لیتی ہے۔

وہ محبت جو رحمان پلازہ میں ایک نگاہ بے اختیارانہ سے شروع ہوئی تھی بالآخر ہزار ڈگمگاہٹوں کے بعد کاملیت کی سرحدوں کو چھونے لگی۔ یقین کی انتہاؤں سے ہوتی ہوئی اعتماد اور اعتبار کے اونچے میناروں پہ ہمیشہ کے لیے جلوہ گر ہو گئی تھی۔ ماہ رو نے اس کی چمکتی آنکھوں کے دیووں کو والہی نظروں سے دیکھا اور عون عباس کے دونوں بڑھے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر اس کے ہمراہ سج سج چلتی نیچے جا رہی تھی۔ وہاں.... اس جگہ، اس نگر، اس محبتوں کی نبستی میں جہاں کچھ لوگ بڑی شدت کے ساتھ ماہ رو کے منتظر تھے.... اور اس کی راہوں میں آنکھیں بچھائے بیٹھے تھے۔

ماہ رو نے ایک روشن دن کو خوش آمدید کیا.... اور عون کے ہمراہ ایک ایسی راہ گزر پہ چلنے لگی تھی جس میں یقیناً" آگے بھی کچھ گنجلک موڑ بھی تھے، کچھ رکاوٹیں بھی، کچھ رنجشیں بھی۔ کچھ ناراضیاں.... کبھی کبھی کی لڑائیاں بھی۔ لیکن ان سب میں محبت اور اعتبار روشن مینار کی طرح چمکتی راہوں کو منور کرتے رہیں گے۔ تاکہ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے غبار اسے آلودہ نہ کر دیں۔



اور پھر ایک خوشگوار زندگی کی شروعات نے ماہ رو سرفراز کو نہ صرف سرفراز کیا تھا بلکہ سرخرو بھی کر دیا تھا۔ رحمان منزل میں اب بھی اس کے نام کا طوطی بولتا تھا۔ عون کے امی ابو سے لے کر پھپھوں تک ہر کوئی ماہ رو کے نام کی مالا جپتا۔ کچھ وقت گزرا تو فریحہ کی امی ابا تک نے اپنا دل صاف کر لیا۔ جب بہت سی تلخ حقیقتیں ان پر آشکار ہوئی تو وہ اپنی ہی نگاہ میں شرمندہ ہو گئے تھے۔ ان کی عقل مند ذہین بیٹی نے انہیں پشیمانی کی ہر انتہا تک پہنچایا تھا۔

سب سے بڑی بات فریحہ نے ماہ رو کے واپس آجانے کے بعد اسی بڑے ہال میں سب کے درمیان اس سے معافی مانگ کر اعلا ظرفی کی نہیں، وسیع القلبی اور صاف دلی کا ثبوت پیش کیا تھا۔

فریحہ کی معافی نے باقی سب کے دلوں کو بھی صاف کر دیا تھا کیونکہ ماہ رو نے اعلا ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے فریحہ کو معاف کر دیا تھا۔ اور فریحہ فرقان کو اس تلخ ترین "تجربے" سے کچھ سمجھ میں آتا یا نہ آتا۔ لیکن ایک بات بہت اچھی طرح سے سمجھ آگئی تھی۔ کہ حسن اور ذہانت کے مقابلے میں جیت نہ حسن کی ہوتی ہے نہ اعلا پائے کے ذہین، شاطر اور پچھاڑ دینے والے دماغ کی.... جیت ہمیشہ خالص اور صاف نیت کی ہوتی ہے۔ بے کھوٹ نیت اور بے کھوٹ دل کی ہوتی ہے۔ ماہ رو سرفراز کو اس کے حسن نے نہیں خالص نیت نے بامراد کیا تھا۔ اور فریحہ کو اس کے ذہین دماغ نے نہیں۔ بدنیتی نے بے مراد رکھا تھا۔